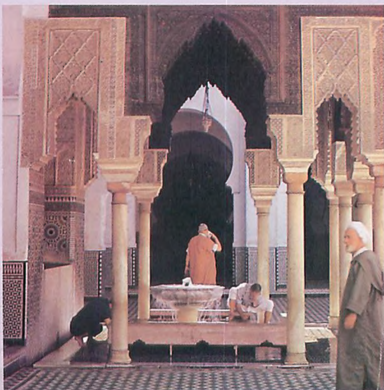
# الرسالہ
# Al-Risala

April 1995 • Issue 221 • Rs. 7

تشدد بزدل آدمی کا ہتھیار ہے
اور صبر وتحمل بہادر آدمی کا ہتھیار۔



Mosque of Fez, Morocco

# WOMAN BETWEEN ISLAM AND WESTERN SOCIETY

By Maulana Wahiduddin Khan

The status of woman in Islam is the same as that of man. njunctions about honour and respect enjoined for one sex are njoined equally for the other sex. So far as rights in this world nd rewards in the Hereafter are concerned, there is no difference etween the sexes. In the organization of daily living, both are qual participants and partners. Yet Islam sees man as man and voman as woman and, considering the natural differences, it dvocates the principle of the division of labour between the two xes rather than the equality of labour.

Price Rs. 85
ISBN 81-85063-75-3

AL-RISALA BOOKS
The Islamic Centre
(Publications Division)
1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013
Tel. 4611128, 4697333
Fax: 91-11-4697333

Distributed by
UBS Publishers' Distributors Ltd.
5 Ansari Road, New Delhi 110 002
Bombay Bangalore Madras Calcutta Patna Kanpur London



# الرسالہ

زیرسرپرستی
مولانا وحیدالدین خان
صدر اسلامی مرکز

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا اسلامی مرکز کا ترجمان

اپریل ۱۹۹۵ ، شمارہ ۲۲۱



**AL-RISALA (Urdu) Monthly**
1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110 013, Tel. 4611128, 4697333
Fax: 91-11-4697333
**Single copy Rs. 7 □ Annual Subscription Rs. 70/$ 20 (Air mail)**
Printed and published by Dr Saniyasnain Khan at Nice Printing Press, Delhi

# خدا کا قانون

ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ وشاقوا الرسول من بعد ما تبین لہم الھدیٰ لن یضروا اللہ شیئا وسیحبط اعمالہم (محمد ۳۲)

بے شک جن لوگوں نے انکار کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی جب کہ ہدایت ان پر واضح ہو چکی تھی، وہ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اللہ ان کے اعمال کو ڈھا دے گا۔

اس آیت میں اور اس نوعیت کی دوسری آیتوں میں اللہ کے ایک نہایت اہم قانون کو بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ جو لوگ حق کا انکار کریں اور حق کے راستہ میں رکاوٹ ڈالیں اور حق کے داعیوں کے مخالف بن کر کھڑے ہوں، وہ حق کا اور حق کے علم برداروں کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ ان کی تمام مخالفانہ کارروائیاں عین قانون خداوندی کے تحت ناکام و نامراد ہو کر رہ جائیں گی۔

مگر اس کی ایک لازمی شرط ہے۔ وہ یہ کہ یہ مخالفین وہ ہوں جن پر ہدایت کی تبلیغ کی گئی ہو۔ جن کے اوپر امر حق پوری طرح واضح کیا جا چکا ہو۔

اس شرط کا تعلق مخالفین سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق خود حق کے داعیوں سے ہے۔ حق کے داعیوں کی طرف سے اگر یہ شرط پوری کر دی گئی ہو تو یہ اس بات کی ضمانت ہے کہ دشمنان حق کی کوئی بھی سازش یا کوئی بھی مخالفانہ کارروائی اہل حق کے اوپر کارگر نہ ہو سکے گی۔ وہ اپنی تمام تدبیروں کے باوجود یقینی طور پر اس میں ناکام رہیں گے کہ حق کے داعیوں کو کوئی واقعی نقصان پہنچا سکیں۔

جب کچھ لوگ خالص حق کی دعوت لے کر اٹھیں اور اس کے تمام آداب و شرائط کے ساتھ اس کو تکمیل تک پہنچائیں تو اس کے بعد یہ ہوتا ہے کہ فریق ثانی کے اندر جتنی سعید روحیں ہوتی ہیں، وہ سب اللہ کی توفیق سے حق کو قبول کر کے حق پرستوں کے گروہ میں شامل ہو جاتی ہیں۔ اس طرح ان کی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور جو لوگ تبلیغ کے باوجود حق کے منکر بنے رہیں، وہ اپنی دانستہ سرکشی کی بنا پر اس کے مستحق ہو جاتے ہیں کہ اللہ انھیں پکڑے اور ان کو مغلوب کر کے اہل حق کو ان کے اوپر غلبہ عطا کر دے۔

# ربّانی، سیاسی

موجودہ زمانہ میں لکھی جانے والی کتابوں میں اسلامی زندگی کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے، وہ وسیع تر تقسیم میں صرف دو ہے۔ ایک وہ جو روحانی ماڈل پر مبنی ہے۔ دوسرا وہ جو نظامی ماڈل پر مبنی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان کو ربانی ماڈل اور سیاسی ماڈل کہا جاسکتا ہے۔

ربانی ماڈل میں اسلام کے داخلی تقاضوں پر زور دیا گیا ہے۔ اس میں انفرادی شخصیت کی تعمیر کو ساری اہمیت حاصل ہے۔ اس میں صدقُ العبد بربّہ کے پہلو کو سب سے زیادہ نمایاں کیا گیا ہے۔ ربانی ماڈل میں معرفتِ خداوندی کی غذا ہے۔ اس میں حکمت کی روشنی ہے۔ اس میں اللہ سے ڈرنے اور اللہ سے محبت کرنے کے تجربات ہیں۔ اس میں جہنم سے بھاگنا اور جنت کی طرف دوڑنا ہے۔ اس میں آنکھوں سے آنسو نکلنا اور جسم کے رونگٹے کھڑے ہونا ہے۔ ربانی ماڈل میں اپنا احتساب ہے۔ بولنے سے زیادہ چپ رہنا ہے۔ اپنے حقوق سے زیادہ اپنی ذمہ داریوں پر نظر رکھنا ہے۔ دنیا میں کھو کر آخرت میں پانا ہے۔ نفرت کے جواب میں محبت اور بدخواہی کے بدلے میں خیر خواہی ہے۔ لوگوں کی زیادتیوں پر معاف کرنا اور ستانے والوں کے حق میں دعا کرنا ہے۔

اس کے مقابلہ میں سیاسی ماڈل تمام تر خارجی نقشوں پر قائم ہے۔ وہ بظاہر داخلی الفاظ بھی بولتا ہے مگر عملاً اس کی ساری توجہ زندگی کے بیرونی ڈھانچہ کے گرد گھومتی ہے۔ سیاسی ماڈل میں سماجی اور قانونی مسائل پر بحثیں ہیں۔ حکومتوں سے ٹکراؤ کرنا ہے۔ اقتدار پر قبضہ کرنے کے منصوبے ہیں۔ جہاد کے نام پر گن کلچر چلانا ہے۔ انسان کو دشمن اور دوست کے خانوں میں بانٹنا ہے۔ محبت کے بجائے نفرت کو فروغ دینا ہے۔ امن کے بجائے تشدد کے طریقہ کو رائج کرنا ہے۔ ربانی ماڈل کا فوکس اگر آخرت ہے تو سیاسی ماڈل کا فوکس صرف دُنیا۔

تاہم ربانی ماڈل ہی سچا اسلامی ماڈل ہے۔ سیاسی ماڈل اسلام میں بالکل اجنبی ہے۔ سیاسی ماڈل کو اختیار کرنے والے لوگ وقتی طور پر کچھ دنیوی چیزیں حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر آخرت کی ابدی دنیا میں وہ بالکل بے قیمت ہو جائیں گے۔ آخرت میں انھیں لوگوں کو عزت اور مقام ملے گا جو اسلام کے ربانی ماڈل کو اختیار کریں۔

# نفسیاتِ دعا

امریکہ کے سفر میں ایک مسلمان بھائی مجھے اپنے شاندار مکان میں لے گئے۔ اس کے بعد انھوں نے میز پر پرتکلف کھانا رکھا جس کو میں حسب عادت کھا نہ سکا۔ آخر میں انھوں نے کہا کہ آپ مجھے کوئی بہت اچھی سی دعا بتائیے جو میرے اور میرے بچوں کے لئے دین اور دنیا کی فلاح کی ضامن بن جائے۔ میں کچھ دیر تک خاموش ہو کر سوچتا رہا۔ پھر میں نے کہا کہ دعا عربی الفاظ کے کسی مجموعہ کا نام نہیں ہے۔ دعا حقیقۃً ان روحانی کلمات کا نام ہے جو دعا والی نفسیات کے ساتھ آدمی کے اندر سے نکلے ہوں۔ جو لوگ دعا کی اعلیٰ نفسیات سے خالی ہوں وہ یقیناً اعلیٰ دعا کی نعمت سے بھی محروم رہیں گے۔

میں نے کہا کہ آپ لوگوں کا حال یہ ہے کہ آپ لوگ دنیوی اسٹیٹس (status) کو اپنا سب سے بڑا کنسرن بنائے ہوئے ہیں۔ آپ اپنی اصل انکم سے زیادہ بڑی حیثیت کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے آپ میں سے ہر شخص سودی قرضوں میں نہایا ہوا ہے۔ آپ چھوٹے مکان کو چھوڑ کر بڑا مکان لیتے ہیں۔ آپ سکنڈ ہینڈ کار کے بجائے نئی شاندار کار خریدتے ہیں۔ آپ سادہ فرنیچر کے بجائے زرق برق فرنیچر سے اپنا گھر سجاتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ سودی قرض پر ہوتا ہے جس کی قسطیں آپ زندگی بھر ادا کرتے رہتے ہیں۔

اس قسم کی مصنوعی زندگی نے آپ لوگوں کو دعا والی نفسیات سے محروم کر دیا ہے۔ دعا کی نفسیات جن تجربات کے دوران بنتی ہے، وہ ہیں ــــ عجز، پستی، دل شکستگی، کم مائگی، احساس محرومی، عدم یافت۔ مگر آپ اپنے کو ان چیزوں سے دور رکھتے ہیں۔ خدا یہ چاہتا ہے کہ وہ مسائل حیات کے دوران آپ کو ان قیمتی تجربات سے گزارے۔ مگر آپ کی مسلسل یہ کوشش ہوتی ہے کہ سودی قرضوں کی مصنوعی تدبیر سے اپنے کو اور اپنے بیوی بچوں کو تجرباتِ حیات کے اس کورس سے گزرنے نہ دیں۔

آپ کو جاننا چاہئے کہ ہر چیز کی ایک قیمت ہے۔ اسی طرح یقیناً دعا کی بھی ایک قیمت ہے۔ اچھی دعا اچھے الفاظ کا نام نہیں ہے۔ اچھی دعا اچھی نفسیات کا نام ہے۔ جس طرح اچھے گھر کی ایک قیمت ہوتی ہے، اسی طرح اچھی دعا کی بھی ایک قیمت ہے۔ اس دنیا میں قیمت ادا کئے بغیر کوئی چیز نہیں ملتی، نہ ایک اچھا مکان اور نہ ایک اچھی دعا۔

لوگ دعا کا نتیجہ چاہتے ہیں، بغیر اس کے کہ انھوں نے دعا کی قیمت ادا کی ہو، بغیر اس کے کہ انھوں نے خدا کے سامنے حقیقی دعا کا تحفہ پیش کیا ہو۔

# تقویٰ کا مرکز

بدر الدین محمد بن بہادر الزرکشی (م ۷۹۴ھ) قاہرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ انھوں نے اپنی کتاب إعلام المساجد میں مسجد سے متعلق بہت سی روایتیں نقل کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

قال ابو الدرداء لابنه۔ یا بنی، لیکن المسجد بیتك. فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: المساجد بیوت المتقین۔ فمن یکن المسجد بیته یضمن الله له الروح والرحمة والجواز علی الصراط الی الجنة۔

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے میرے بیٹے مسجد کو اپنا گھر بناؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مسجدیں متقیوں کا گھر ہیں۔ پس مسجد جس کے لئے گھر ہو جائے اللہ اس کو رحمت اور مہربانی کی ضمانت دیدیتا ہے اور اس کو جنت کے راستہ کا پروانہ عطا فرماتا ہے۔

اس حدیث میں بیت کا لفظ سادہ طور پر گھر کے معنی میں نہیں ہے۔ یہ دراصل اس معنی میں ہے کہ جس معنی میں آجکل مرکز کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد تقویٰ کی تربیت کا مرکز ہے۔ مسجد کسی بستی کا وہ مقام ہے جہاں اجتماعی طور پر لوگوں کو متقیانہ زندگی کا سبق دیا جاتا ہے۔

ایک مومن کو اس دنیا میں جو دین دارانہ زندگی گزارنا ہے، اس کا مکمل نمونہ نمازمیں دکھیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ نماز دین کا کھمبا ہے۔ جس نے اس کو قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا، اور جس نے اس کو ڈھادیا اس نے دین کو ڈھادیا (الصلاة عماد الدین، فمن اقامها اقام الدین ومن هدمها هدم الدین)

مسجد سے روزانہ اللہ اکبر کی آواز سنائی جاتی ہے۔ یہ اس بات کی یاد دہانی ہے کہ انسان چھوٹا ہے اور خدا بڑا۔ مسجد میں داخل ہو کر آدمی وضو کرتا ہے، یہ اس بات کا سبق ہے کہ آدمی کو ہمیشہ پاک صاف رہنا چاہئے۔ مسجد میں آدمی رکوع اور سجدہ کرتا ہے، یہ اس بات کی تعلیم ہے کہ دنیا میں تواضع کے ساتھ رہو۔ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جاتی ہے، یہ اس بات کی تربیت ہے کہ اجتماعیت کے ساتھ زندگی گزارو۔

# دنیا، آخرت

اِس دنیا میں آدمی کبھی کھوتا ہے اور کبھی پاتا ہے۔ کبھی اس کو زخم لگتا ہے اور کبھی اس کو راحت ملتی ہے۔ کبھی وہ خوشی کا تجربہ کرتا ہے اور کبھی غم کا تجربہ۔ کبھی اس کی خواہش پوری ہوتی ہے اور کبھی اس کی خواہش پوری نہیں ہوتی۔ مگر یہ سب کے سب اضافی ہیں۔ دیکھنے کی اصل بات یہ ہے کہ دنیا کا واقعہ صرف دنیا کا ایک واقعہ تھا یا دنیا کے اس واقعہ میں آدمی کو آخرت کی کوئی خوراک حاصل ہوئی۔

کامیابی حقیقۃً یہ نہیں ہے کہ آپ نے دنیوی اہمیت کی کوئی چیز پالی۔ اسی طرح ناکامی یہ نہیں ہے کہ آپ نے دنیوی اہمیت کی کوئی چیز کھودی۔ کامیابی اور ناکامی دونوں کا معیار آخرت ہے۔ کامیابی بھی آخرت کی کامیابی ہے اور ناکامی بھی آخرت کی ناکامی۔

آپ کے سامنے حق آیا۔ اس کا اعتراف کرنے میں آپ کا مرتبہ نیچا ہو رہا تھا اور اس کا انکار کرنے میں آپ کا مرتبہ بلند ہو رہا تھا۔ اب اگر آپ اس کو رد کرنے کے لئے ایک شاندار لفظ پالیں اور اس طرح اپنے مرتبہ کو اونچا رکھنے میں کامیاب ہو جائیں تو یہ آپ کی کامیابی نہیں ہوگی بلکہ عین ناکامی ہوگی کیونکہ آپ نے وقتی طور پر کچھ انسانوں کی نظر میں اپنے کو اونچا اٹھایا، مگر آپ نے خدا کی نظر میں ہمیشہ کے لئے اپنے کو نیچا کر لیا۔

اس کے برعکس اگر آپ نے اپنے مرتبہ کا لحاظ کئے بغیر سیدھی طرح حق کا اعتراف کر لیا اور اس کے نتیجہ میں آپ کا درجہ عوام کی نظر میں نیچا ہو گیا تو بظاہر اگرچہ آپ ناکام رہے۔ مگر یہ آپ کے لئے عین کامیابی تھی کیونکہ وقتی پستی کو گوارا کر کے آپ نے آخرت کی ابدی بلندی کا درجہ حاصل کر لیا۔

یہی معاملہ تمام دنیوی تجربات کا ہے۔ ہر تجربہ، خواہ وہ منفی تجربہ ہو یا مثبت تجربہ، اس کی قدر وقیمت مقرر کرنے کا اصلی معیار آخرت ہے۔ دنیا کی تلخی اگر آدمی کے ربانی احساس کو جگائے۔ اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل پڑیں کہ خدایا، میں اس چھوٹی مصیبت پر صبر کرتا ہوں تاکہ تو آئندہ آنے والی بڑی مصیبت سے بچالے تو اس نے اپنے دنیوی نقصان کو اخروی فائدہ میں تبدیل کر لیا۔ اس کے برعکس اگر آدمی کو سکھ ملے اور وہ اس میں مگن ہو کر خدا کو بھول جائے تو اس کا سکھ اس کے لئے سب سے بڑا دکھ تھا کیوں کہ اس نے اس کو آخرت کی فکر سے غافل کر دیا۔

دنیا سے دنیا کو لینے کا نام ناکامی ہے اور دنیا سے آخرت کو لینے کا نام کامیابی۔

# انسان کی کہانی

پبلی لیس سائرس (Publilius Syrus) پہلی صدی قبل مسیح کا ایک رومی مصنف ہے۔ اس کی تحریریں لاتینی زبان میں ہیں۔ اس کے ایک قول کا ترجمہ انگریزی زبان میں اس طرح کیا گیا ہے:

A good opportunity is seldom presented, and is easily lost.

یعنی ایک اچھا موقع مشکل سے آتا ہے اور وہ بہت آسانی سے چلا جاتا ہے۔

لاتینی مصنف نے یہ بات دنیا کے اعتبار سے کہی ہے۔ دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے قیمتی مواقع ہر وقت موجود نہیں رہتے۔ وہ کبھی کبھی سامنے آتے ہیں مگر اکثر لوگ اس کی اہمیت کو سمجھ نہیں پاتے۔ وہ بروقت اس کو استعمال نہیں کر پاتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ موقع نکل جاتا ہے اور اس کے بعد لوگوں کے حصہ میں جو چیز باقی رہتی ہے وہ صرف یہ افسوس ہوتا ہے کہ کیسا قیمتی موقع میں نے کتنی نادانی سے کھو دیا۔

یہی معاملہ زیادہ بڑے پیمانہ پر آخرت کا ہے۔ آخرت کے لئے کچھ کرنے کا موقع ہر آدمی کو ملتا ہے۔ مگر یہ موقع کسی آدمی کو صرف ایک بار ملتا ہے۔ پھر یہ موقع اچانک آدمی کی موت پر ختم ہو جاتا ہے۔ موت کے بعد جب آدمی کی آنکھ کھلتی ہے تو اس کو سخت جھٹکا لگتا ہے۔ اب یہ ابدی افسوس اس کا مقدر بن جاتا ہے کہ آخرت کی نعمتوں کو کمانے کا کتنا قیمتی موقع اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا تھا اور میں نے کتنی غفلت میں اسے کھو دیا۔

دنیا میں ہر آدمی کو یکساں مواقع دئے گئے ہیں۔ مگر آخرت میں کسی آدمی کا کیس ضائع شدہ مواقع (Missed opportunities) کا کیس ہوگا اور کسی آدمی کا کیس استعمال شدہ مواقع (Availed opportunities) کا کیس۔ یہی چند الفاظ میں ہر ایک کی کہانی ہے۔

یہ صورت حال دنیا میں زندگی کے معاملہ کو بے حد نازک بنا دیتی ہے۔ کیونکہ دنیا کے اعتبار سے تو ایک موقع کھونے کے بعد دوسرا موقع ملنے کا بھی امکان رہتا ہے۔ مگر آخرت کا موقع ایک بار ملنے کے بعد دوسری بار ملنے والا نہیں۔ یہاں جو شخص ایک بار کامیاب ہوا وہ ہمیشہ کے لئے کامیاب ہو گیا اور جو ایک بار ناکام ہوا وہ ہمیشہ کے لئے ناکام رہ گیا۔

# آج اور کل

اقوام متحدہ نے ۱۹۷۵ میں رزولیوشن نمبر ۳۳۷۹ پاس کیا تھا۔ اس میں صہیونیت (zionism) کو نسل پرستی (racism) کے برابر قرار دیا گیا تھا۔ اس وقت انڈیا نے بھی رزولیوشن کی تائید کی تھی۔

یہودی لابی اور امریکہ اسی وقت سے اس کوشش میں تھے کہ اس رزولیوشن کو اقوام متحدہ میں ختم کرائیں۔ مگر حالات ان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ خاص طور پر سوویت یونین کے زیر اثر ممالک (East Block) تمام کا تمام اس رزولیوشن کی حمایت میں تھا۔

مگر سوویت یونین کے ٹوٹنے کی وجہ سے یہودی لابی اور امریکہ کو موقع مل گیا۔ ۱۶ دسمبر ۱۹۹۱ کو امریکہ نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اس رزولیوشن کی تنسیخ کا رزولیوشن پیش کیا۔ انڈیا سمیت پورے ایسٹ بلاک نے امریکی تجویز کی حمایت کی۔ ۲۵ کے مقابلہ میں ۱۱۱ ووٹوں سے سابق رزولیوشن منسوخ کر دیا گیا۔ واضح ہو کہ بوقت رائے شماری اقوام متحدہ کے ممبروں کی تعداد ۱۶۶ تھی۔ ان میں سے ایک تعداد نے غیر جانب داری کا طریقہ اختیار کیا۔

امریکی نمائندہ ایگل برگر (Lawrence Eagleburger) نے کہا کہ وہ دور جس نے رزولیوشن ۳۳۷۹ کو پیدا کیا تھا وہ اب تاریخ کی چیز بن چکا ہے:

The era which produced resolution 3379 has passed into history.

۱۹۷۵ سے ۱۹۹۱ تک سوویت یونین کو سپر پاور کی حیثیت حاصل تھی۔ امریکہ کے خلاف اپنا جتھا بنانے کے لئے وہ مذکورہ رزولیوشن کی تائید کر کے اس کو قائم کئے ہوئے تھا۔ اب امریکہ کو واحد سپر پاور کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اس نے ۱۶ سال بعد اس رزولیوشن کا خاتمہ کر دیا۔

جس کو بھی طاقت ملتی ہے وہ اپنی مرضی کے مطابق تاریخ لکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ اس دنیا میں کسی کو بھی مستقل حیثیت حاصل نہیں۔ یہاں کسی کے لئے ۱۶ سال کا موقع ہے اور کسی کے لئے ۱۶ دن کا۔ مگر ہر آدمی اپنی اس حیثیت کو بھولا ہوا ہے، بے زور بھی اس سے اتنا ہی بے خبر ہے جتنا کہ کوئی زور آور۔

# ایمان ایک معرفت

فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلاۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا۔ الا من تاب و آمن وعمل صالحاً فاولئك یدخلون الجنۃ ولا یظلمون شیئاً۔ (مریم ۵۹ - ۶۰)

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو کھودیا اور خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے۔ پس عنقریب وہ اپنی خرابی کو دیکھیں گے۔ البتہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کیا تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔

قرآن کی اس آیت میں خلف یا اخلاف سے مراد کسی امت کی بعد کی نسلیں ہیں۔ یہ بعد کو پیدا ہونے لوگ، خود قانون قدرت کے تحت، پہلی نسل کے لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے اندر مقصد کے بجائے خواہشات کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ ان کے یہاں عبادت کی ظاہری شکل باقی رہتی ہے مگر اس کی اندرونی روح نکل جاتی ہے۔ کسی امت میں بعد کو پیدا ہونے والے افراد کا ہمیشہ یہی انجام ہوتا ہے۔ اس سے مستثنیٰ صرف وہ لوگ ہیں جن کو ازسرنو ایمان اور توبہ اور عمل صالح کی توفیق حاصل ہو۔

ایمان کیا ہے۔ ایمان ایک ذہنی انقلاب کا نام ہے جس کو حدیث میں عرفان یا معرفت کہا گیا ہے (من عرف ان لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ) یہ ذہنی انقلاب ایک ناقابل انتقال چیز ہے۔ وہ باپ سے بیٹے کو منتقل نہیں ہوتی۔ باپ اگر سائنس کا عالم ہو تو اس کا علم اس کی نسل کو منتقل نہیں ہوگا۔ اگلی نسل کو خود ذاتی محنت سے سائنس کا علم حاصل کرنا پڑے گا۔

اسی طرح اسلام کی معرفت ایک فرد کے ذہن میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کے اندر جو فکری انقلاب آتا ہے وہ اس کا ذاتی اکتساب ہوتا ہے۔ وہ وراثتی طور پر اپنے آپ اگلی نسل کو نہیں مل جاتا۔ اسلام کی معرفت حاصل کرنا ایک ایسا عمل ہے جو ہر نسل میں دوبارہ جاری ہوتا ہے۔ ہر فرد اپنی ذاتی محنت سے اس کو ازسرنو حاصل کرتا ہے۔ ایمان ایک دریافت ہے، اور دریافت مکمل طور پر ایک ذاتی اکتساب ہے، وہ کسی بھی درجہ میں وراثتی اثاثہ نہیں۔

اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ ہر سو سال کے سرے پر ایسا شخص پیدا کرے گا جو لوگوں کے دین کی تجدید کرے گا۔ یعنی اپنی مصلحانہ کوشش سے ازسرنو انھیں ایمانی معرفت عطا کرے گا۔

# احیاءِ ملت

دہلی کا قطب مینار تیرھویں صدی عیسوی میں قطب الدین ایبک نے بنوایا تھا۔ اگر آپ اس کے سامنے کھڑے ہوکر کہیں کہ "اے قطب مینار، تو وہی بلند ٹاور ہے جس کو قطب الدین ایبک نے اپنی فتح کے نشان کے طور پر سات سو سال پہلے بنوایا تھا" تو یہ ایک صحیح بات ہوگی۔ لیکن اگر آپ کسی جلسہ میں اس طرح تقریر کریں کہ "اے مسلمانو، تم وہی خیرامت ہو جس کو پیغمبر اسلام نے چودہ سو سال پہلے بنایا تھا اور جس نے عرب کے صحرا سے نکل کر روم و ایران کی سلطنت کو الٹ دیا تھا" تو یہ دوسری بات سراسر بے اصل اور خلاف واقعہ قرار دی جائے گی۔

قطب مینار ایک جامد وجود ہے۔ وہ عین اپنے سابق وجود کا تسلسل ہے۔ وہ اپنے ابتدائی وجود ہی کے ساتھ تاریخ میں مسلسل چلا آرہا ہے۔ جو بلند سنگی عمارت آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اسی سنگی عمارت کو سات سو سال پہلے بھی دیکھنے والوں نے دیکھا تھا۔

مگر مسلمان ایک انسانی گروہ کا نام ہے۔ انسان کی عمر محدود ہوتی ہے۔ وہ ۶۰ سال یا اس سے کم بیش مدت میں مرجاتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا انسان پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے انسانی مجموعہ کے لئے پہلی نسل، دوسری نسل اور بعد کی نسل کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ انسانوں میں اسلاف و اخلاف ہوتے ہیں۔ جبکہ تاریخی عمارتوں میں اسلاف و اخلاف کا کوئی تصور نہیں (ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۸ – ۲۹)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ کہنا درست نہیں کہ اے مسلمانو، تم وہی تو ہو جنھوں نے ایسا اور ایسا کیا تھا۔ مگر موجودہ دور پریس میں مسلمانوں کے اندر جو مصلح اور رہنما پیدا ہوئے، تقریباً سب نے اسی انداز میں مسلمانوں کو خطاب کیا۔ واقعات بتاتے ہیں کہ ان سب کی کوششیں بالکل رائیگاں ہوگئیں۔ اور امت میں مطلوبہ بیداری پیدا نہ ہوسکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ طرز خطاب قرآن کے الفاظ، میں قول غیر سدید تھا۔ اور قول غیر سدید کے ذریعہ کبھی اصلاح احوال نہیں ہوتی (الاحزاب ۷۱)

موجودہ نسلوں میں بیداری لانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کے اندر سچی معرفت پیدا کی جائے۔ ان کے اندر دوبارہ ذہنی انقلاب والا ایمان زندہ کیا جائے۔

# دلائل قرآن

قرآن میں ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے اس کے حق میں اس کے پاس کوئی دلیل نہیں (وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ (المومنون ۱۱۷)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے ایک عالم نے کہا کہ موحد کہتا ہے کہ خدا ایک ہے، مشرک کہتا ہے کہ خدا کئی ہیں۔ اس طرح ایک خدا کا وجود دونوں کے درمیان متفق علیہ ہوگیا۔ کیونکہ مشرک نے جب کہا کہ خدا کئی ہیں تو ایک خدا کو اس نے پہلے ہی مان لیا۔ اس طرح ایک خدا کا وجود تو اپنے آپ ثابت ہے۔ اب دلیل کی ذمہ داری موحد پر نہیں ہے بلکہ مشرک پر ہے۔ ایک کے بعد بقیہ خداؤں کے وجود پر وہ دلیل لائے۔

یہ سادہ استدلال کا ایک نمونہ ہے۔ ہر معاملہ میں استدلال کے دو درجے ہوتے ہیں۔ ایک سادہ اور دوسرا علمی۔ کچھ لوگوں کے لئے سادہ دلیل کافی ہوجاتی ہے۔ مگر کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کا تقاضا ہوتا ہے کہ زیادہ علمی انداز میں ان کے سامنے بات کو واضح کیا جائے۔ قرآن میں دونوں سطح کے دلائل موجود ہیں۔

اوپر کی مثال برہان کی سادہ تفسیر ہے۔ مگر اس برہان کی علمی اور سائنٹفک تفسیر بھی یہاں موجود ہے۔ راقم الحروف نے اس کی وضاحت مختلف کتابوں میں کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب ہم کائنات کا مطالعہ کرتے ہیں تو تمام حاصل شدہ شہادتیں خالق کی وحدانیت کی طرف اشارہ کرتی ہیں نہ کہ خالق کے تعدد کی طرف۔ مثلاً وسیع کائنات کے تمام اجزا کا ترکیبی مادہ صرف ایک ہے، اور وہ ناقابل مشاہدہ ایٹم ہے۔ پوری کائنات میں ایک ہی قانون کی کارفرمائی ہے۔ کائنات میں بے شمار سرگرمیاں ہیں مگر سب کی سب متوافق طور پر کام کرتی ہیں جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان سب کا ناظم ایک ہی ہے۔ کائنات کا کوئی جزء اپنے عمل کے دوران جب کوئی مسئلہ پیدا کرتا ہے تو اس کا دوسرا جزء فوراً اس کی تلافی کے لئے آجاتا ہے۔ تمام چیزیں جوڑے جوڑے کی شکل میں ہیں۔ مگر دونوں میں اتنی یکسانیت ہے کہ دونوں بالکل کاگ وھیل کی طرح مل کر کام کرتے ہیں۔ اگر دونوں کے الگ الگ خدا ہوں تو دونوں میں اس طرح کامل ہم آہنگی نہیں ہو سکتی وغیرہ

# ایک تقابل

ایک تعلیم یافتہ غیر مسلم نے اسلام اور بدھزم کا تقابل کرتے ہوئے کہا کہ اسلام میں اخلاق کی بنیادیں کمزور ہیں۔ جبکہ بدھزم میں انسانی اخلاقیات کو بہت مضبوط بنیاد پر قائم کیا گیا ہے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ اسلام کے پانچ ارکان (ایمان، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) صرف عقیدہ اور عبادت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جبکہ بدھزم کے پانچ ارکان (پنچ شیل) سب کے سب انسانی اخلاق سے تعلق رکھنے والے اصول ہیں۔ بدھزم کے پانچ ارکان یہ ہیں — قتل نہ کرنا، چوری نہ کرنا، جنسی بے راہ روی نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، نشہ کی چیز استعمال نہ کرنا:

> The five precepts (panca-sila) for the layman prohibit killing, stealing, engaging in sexual misconduct, lying, and drinking intoxicating liquor. (3/390)

مگر ایسا کہنا درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بدھزم میں جس طرح اخلاقیات کی تعلیم دی گئی ہے، اسی طرح اسلام میں بھی اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بدھزم اخلاق کی تلقین سماجی سلوک کے طور پر کرتا ہے۔ جبکہ اسلام میں متقیانہ روش کی حیثیت سے اخلاق پر زور دیا گیا ہے۔

اسلام کے پانچوں ارکان میں اخلاق کا تصور بطور تقاضا موجود ہے۔ اسی لئے کہا گیا کہ وہ شخص مومن نہیں جو خود کھائے مگر اس کے قریب کا پڑوسی بھوکا رہے۔ نماز کے لئے قرآن میں ہے کہ نماز آدمی کو فحش اور منکر سے روکتی ہے۔ زکوٰۃ ایک اعتبار سے عبادت ہے اور دوسرے اعتبار سے اپنی چیز میں دوسروں کا حق تسلیم کرنا ہے۔ روزہ کے بارہ میں حدیث میں ہے کہ جو آدمی روزہ رکھ کر جھوٹ بولے اس کا روزہ روزہ نہیں۔ اسی طرح اس آدمی کا حج باطل ہو جاتا ہے جو حج کے رسوم ادا کرے مگر کسی کے ساتھ وہ لڑائی جھگڑے میں ملوث ہو۔

قرآن و حدیث میں کثرت سے اخلاقیات کی تعلیم دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں (بُعثتُ لاُ تمم مکارم الاخلاق) اس کو خلاصۂ اسلام بتایا گیا ہے کہ آدمی لوگوں کے درمیان اچھے اخلاق کے ساتھ رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بدھزم میں اخلاق کی حیثیت ایک قسم کی اصلاحی سفارش کی ہے۔ جب کہ اسلام میں اس کا رشتہ خدا کے سامنے جوابدہی سے جڑا ہوا ہے۔ جوابدہی کا یہ پہلو اخلاق کی اہمیت کو بہت زیادہ بڑھا دیتا ہے۔

# افغانستان : ایک جائزہ

اکتوبر ۱۹۸۸ میں راقم الحروف نے افغانستان کا سفر کیا تھا۔ اس کے بعد میں نے ایک مفصل سفر نامہ لکھا تھا جو دو قسطوں میں الرسالہ فروری۔ مارچ ۱۹۸۹ میں شائع ہو چکا ہے۔ اس وقت افغانستان کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا:

"مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اگر بالفرض روسی اثر و نفوذ افغانستان سے ختم ہو جائے تب بھی یہاں کا اصل مسئلہ ختم ہونے والا نہیں۔ کیوں کہ افغانوں کا عدم برداشت کا مزاج جو اس وقت روسیوں یا روس نواز افغانی حکومت کے خلاف کام کر رہا ہے، وہی بعد کو خود اپنے لوگوں کے خلاف کام کرنے لگے گا۔ اس دنیا میں کامیابی کا راز برداشت ہے، (اور وہ افغانوں کے اندر موجود نہیں) افغانستان کے سرسبز علاقے اس وقت اجڑے ہوئے صحرا کا منظر پیش کرتے ہیں۔ تمام قربانیوں کے باوجود افغانستان کا مستقبل غیر یقینی ہے۔ مجاہدین کا حال یہ ہے کہ وہ سات گروپ میں بٹے ہوئے ہیں۔ افغانستان کے مستقبل کے نقشہ کے بارہ میں ان کے درمیان اتفاق نہیں۔ افغانی مجاہدین کے پاس پولٹیکل لیڈرشپ نام کی کوئی چیز موجود نہیں۔ (جیسا کہ ڈاکٹر نلسن منڈیلا کی صورت میں ساؤتھ افریقہ میں موجود تھی) اس سلسلہ میں ایک رپورٹر

**Mujahideen and other rebel groups based in Afghanistan, Pakistan (Peshawar) and Iran**

| | |
|---|---|
| Hezb-i-Islami (faction no. one) Gulbuddin Hekmatyar | Mehaz-i-Meli-Islami |
| Hezb-i-Islami (faction no. two) Yunus Khalis | Jabhah-i-Nijoti-Meli-Islami |
| Jamait-i-Islami · Ahmed Shah Masood | Hezb-i-Hitahadi-Islami |
| General Rashid Dostam | Hezb-i-Wahadati-Islami |
| Sibatullah Mojadeddo — head of Provincial government in Pakistan, not supported by Gulbuddin Hekmatyar | Sozman-i-Islami Nasar |
| Syed Amed Gilani | Harakat-i-Islami |
| Maulvi Mohammed Nadi Mohammedi | Sozman-i-Pasdarani Jahadi-Islami |
| Commander Abdul Haq | Jabahaye-Matahidi-Islami |
| Jammat-i-Islami — Burhanuddin Rabbani | Niroye-Islami |
| Haraka-i-Inquilab-Islami | Nohzati-Islami |
| | Hezbullah |
| | Hezb-i-dawate Islami |
| | Shoroye Itefaqui |

نے قندھار کے ملا نقیب اللہ سے گفت گو کی۔ ان کا جواب یہ تھا کہ صدر نجیب اللہ کے چلے جانے کے بعد ہم ایک کونسل بنائیں گے تاکہ تمام افغانی مل کر یہ فیصلہ کریں کہ ملک کے اوپر کون حکومت کرے۔

جہاں دورِ جد وجہد میں اتحاد نہ ہو، وہاں دورِ اقتدار میں اتحاد اور بھی زیادہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ مگر افغانی لیڈروں کو اس کی خبر نہیں۔" (الرسالہ مارچ ۱۹۸۹، صفحہ ۳۲-۳۴)

یہ بات راقم الحروف نے ۱۹۸۸ میں لکھی تھی جب کہ تمام دنیا کے مسلمان افغانی جنگ سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے۔ اب یہ لوگ جب دیکھتے ہیں کہ افغانستان میں آزادی حاصل ہو جانے کے بعد بھی تباہ کن لڑائی جاری ہے تو وہ سخت پریشان ہوتے ہیں۔ اس پریشانی کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ اس کو اسلامی جہاد سمجھ رہے تھے۔ مگر راقم الحروف کے لئے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ کیوں کہ میرے نزدیک افغانستان کی جنگ ایک قبائلی جنگ تھی۔ اور یہ جنگ ان کے یہاں روسی فوجوں کے داخلہ کے بہت پہلے سے جاری ہے۔

مسلم فوجوں نے ۶۴۲ء میں ساسانی سلطنت کو شکست دی جس کی سرحدیں افغانستان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد انھوں نے افغانستان کا رخ کیا، مگر مخصوص حالات کی بنا پر ان کو صرف عارضی کامیابی مل سکی۔ جن شہروں نے مسلم فوجوں کے مقابلہ میں اطاعت قبول کی وہاں جلد ہی ان کے خلاف بغاوت ابھر آئی۔ نویں اور دسویں صدی میں کئی مقامی سلطنتیں وجود میں آگئیں۔ شروع میں وہ خلیفہ بغداد کے ماتحت تھے، مگر ۸۲۰ء میں انھوں نے بغداد سے علیحدگی اختیار کرلی۔ تاہم بہت کم ایسا ہوا کہ ان کے درمیان لڑائی جاری نہ ہو۔ مسلسل ان کی حالت یہ رہی کہ یا تو باہر کی طاقت سے ٹکراؤ، اور اگر باہر کی طاقت نہ ہو تو آپس میں ٹکراؤ۔

افغانی لوگ بیشتر جاہل ہیں۔ وہ اس کو فخر سمجھتے ہیں کہ وہ کسی کی ماتحتی کو قبول نہ کریں۔ یہی ان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ ایک ہزار انسانوں میں ۹۹۹ آدمی جب ماتحت بننے پر راضی ہوتے ہیں، تب ایک شخص کی لیڈرشپ قائم ہوتی ہے۔ جہاں ہر آدمی کے اندر سرداری کا مزاج ہو وہاں نہ لیڈرشپ وجود میں آئے گی اور نہ اتحاد اور استحکام قائم ہوگا۔ افغانستان عرصہ دراز سے اپنے اسی مزاج کی قیمت ادا کر رہا ہے۔ اگلے صفحہ پر ایک نقشہ دیا جا رہا ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ افغانستان میں اقتدار کی جنگ نے کس طرح عدم استحکام کی صورت پیدا کر رکھی ہے۔

فروری 1919 امیر حبیب اللہ خاں کی اعتدال پسند پالیسی کی بنا پر انتہا پسند افغانوں نے انھیں قتل کر دیا۔ اس کے بعد ان کے لڑکے امان اللہ خاں افغانستان کے تخت پر بیٹھے۔

جنوری 1929 ملک میں خانہ جنگی۔ امان اللہ خاں کو جلاوطن ہو کر اٹلی جانا پڑا۔ اس کے بعد حبیب اللہ غازی نے افغانستان کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔

اکتوبر 1929 حبیب اللہ غازی کو اولاً تخت سے معزول اور اس کے بعد قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد قبائل کے مشورہ پر محمد نادر شاہ کو افغانستان کا حکمراں بنایا گیا۔

نومبر ۱۹۳۳ محمد نادر شاہ کو ناراض گروپ نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد ان کے ۱۹ سالہ لڑکے محمد ظاہر شاہ کو افغانستان کے تخت پر بٹھایا گیا۔

جولائی ۱۹۷۳ وزیر دفاع سردار محمد داؤد خاں نے فوجی بغاوت کے ذریعہ محمد ظاہر شاہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ اور افغانستان کی حکومت پر قابض ہو گئے۔ ظاہر شاہ کو روم بھیج دیا گیا۔

مئی ۱۹۷۸ کرنل عبد القادر کی قیادت میں افغانی فوج نے سردار محمد داؤد کے خلاف بغاوت کر دی۔ ان کو مع اہل خاندان قتل کر دیا گیا۔ اشتراکی لیڈر نور محمد ترکئی افغانستان کے حکمراں بن گئے۔

اگست ۱۹۷۸ کرنل عبد القادر کو حکومت کے خلاف سازش کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ اولاً پھانسی اور اس کے بعد عمر قید کی سزا ہوئی۔

ستمبر ۱۹۷۹ محل کے اندر لڑائی میں نور محمد ترکئی کو گولی لگی۔ بعد کو وہ ماسکو کے ایک اسپتال میں مر گئے۔ اس کے بعد حفیظ اللہ امین کو افغانستان کا صدر بنایا گیا۔

دسمبر ۱۹۷۹ افغانستان پر سوویت یونین کا حملہ۔ حفیظ اللہ امین مار ڈالے گئے۔ ان کے کئی رشتہ داروں کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد ببرک کرمال افغانستان کے صدر مقرر ہوئے۔

مئی ۱۹۸۶ ڈاکٹر نجیب اللہ نے فوجیوں کی مدد سے بغاوت کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ ببرک کرمال کو اقتدار سے ہٹا دیا اور ان کو علاج کے نام پر جبراً ماسکو بھیج دیا۔ ۱۵ فروری 1989 کو سوویت یونین کا آخری فوجی دستہ افغانستان سے واپس چلا گیا۔

اپریل 1992 باغی مجاہدین نے کابل پر قبضہ کر کے ڈاکٹر نجیب اللہ کو گرفتار کر لیا۔ ڈاکٹر نجیب اللہ اقتدار سے بے دخل کر کے علیحدہ کر دئے گئے۔ جنرل نبی عظیمی کی قیادت میں مجاہدین کونسل کا قیام۔

جون ۱۹۹۲ ۲۸ اپریل کو صبغۃ اللہ مجددی نئے افغانستان کے کارگزار صدر مقرر ہوئے تھے۔ ۲۸ جون ۱۹۹۲ کو انھوں نے استعفا دیدیا۔ اس کے بعد برہان الدین ربانی مجاہدین کی عارضی حکومت کے صدر بنے۔

--- الرسالہ اپریل ۱۹۹۵

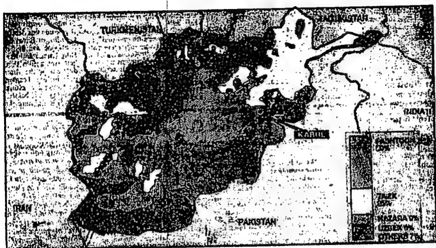
افغانستان میں اصل تقسیم اسلام اور غیر اسلام کی نہیں ہے۔ بلکہ اصل تقسیم نسلی اور قبائلی ہے۔ لوگوں کی وفاداریاں اپنے اپنے نسلی گروپ سے وابستہ ہیں۔ اس وقت افغانستان میں چار بڑے نسلی گروہ ہیں ـــــ پشتون، تاجک، ہزارہ، ازبیک۔ موجودہ افغانستان عملاً انھیں چار گروہوں میں بٹا ہوا ہے۔ ملکی مفہوم میں وہاں کوئی افغانی حکومت موجود نہیں ہے۔ بلکہ ہر گروہ اپنے اپنے علاقے میں تسلط قائم کئے ہوئے ہے۔ ملاحظہ ہو نقشہ ذیل۔

۲۶ اپریل ۱۹۹۲ کے اخبارات کی اہم ترین سرخی یہ تھی ـــــ مجاہدین نے کابل پر قبضہ کر لیا (Mujahideen take over Kabul)

اس طرح بظاہر ۱۳ سالہ جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر جنگ کا یہ خاتمہ مسائل کا خاتمہ نہیں۔ کیوں کہ ایک مبصر کے الفاظ میں، یہاں بندوقیں تو بہت زیادہ ہیں۔ مگر زندگی کی ضرورت کی تمام چیزیں المناک حد تک کم ہیں:

(in this country) guns are plentiful but everything needed to support human existence is woefully short.

اقتصادی کمزوری کسی قوم کو ہر اعتبار سے کمزور کر دیتی ہے۔ اقتصادی بدحالی کی دلدل سے نکلنے کا واحد ذریعہ دانشمندقیادت ہے۔ افغانستان کی تعمیر نو کے لئے افغانستان کو اسی حکمت کی



ضرورت تھی جس کو دوسری عالمی جنگ کے بعد جاپان کے لیڈروں نے معکوس عمل (ریورس کورس) کے عنوان سے اپنایا تھا۔ یعنی جنگ کا ذہن ختم کرکے کامل طور پر امن کا طریقہ اختیار کرنا۔ مگر افغانی قوم اپنے جنگ جوئی کے مزاج کی بنا پر ایسا نہ کرسکی۔ چنانچہ ملک بدستور امن سے محروم رہا۔

ڈاکٹر نجیب اللہ تقریباً چھ سال تک افغانستان کے حکمراں تھے۔ افغان مجاہدین کے مسلسل حملوں کے بعد آخر کار ۱۶ اپریل ۱۹۹۲ کو انھوں نے اقتدار کی کرسی مجاہدین کے لئے خالی کردی اور کابل کے صدارتی محل کو چھوڑ کر چلے گئے۔ روسی فوجوں کے افغانستان میں داخلہ (دسمبر ۱۹۷۹) کے بعد پچھلے تقریباً ۱۴ سال کی جنگ میں ۲۰ لاکھ افغانی ہلاک ہوگئے۔ اس دوران جو دوسرے نقصانات ہوئے ان کی مقدار اس سے بھی زیادہ ہے۔

ڈاکٹر نجیب اللہ کے ہٹنے کے بعد اقوام متحدہ کے نمائندہ بنان سیون (Benon Seven) کابل پہنچ گئے۔ وہ مسلسل کوشش کرتے رہے کہ کابل میں افغانی مجاہدین کے مختلف گروپ کی ایک مشترک کونسل بنائی جائے۔ وہ عارضی طور پر افغانستان کا اقتدار سنبھال لے۔ پھر اس کی رہنمائی میں الکشن ہو اور جو لوگ عوام کی رائے سے چنے جائیں وہ اگلی مدت کے لئے افغانستان پر حکومت کریں۔

مگر اقوام متحدہ کے نمائندہ اور دوسرے بہی خواہوں (بشمول پاکستان) کی کوششیں ناکام ہوگئیں۔ یہاں تک کہ ۲۷ اپریل ۱۹۹۲ کے اخبارات یہ خبر لائے کہ کابل میں خود مجاہدین کے دو گروپ گلبدن حکمت یار کی جمعیت اسلامی اور احمد شاہ مسعود کی حزب المجاہدین میں گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ اسٹیٹسمین (۲۷ اپریل) نے بامعنی طور پر اس کی یہ سرخی لگائی ـــــــ کابل میں اقتدار کی جنگ:

Battle for power in Kabul.

حقیقت یہ ہے کہ افغانی جنگجوؤں کی لڑائی ان کے قبائلی مزاج کا نتیجہ تھی۔ تاہم یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ پچھلے تیرہ سال کے دوران روس کے براہ راست یا بالواسطہ تدخل نے انھیں یہ موقع دیدیا کہ وہ اپنی اس جنگ کو خالص اسلامی جہاد کا عنوان دے سکیں۔ مگر روسی فوجوں کی واپسی اور ڈاکٹر نجیب اللہ کی حکومت کے خاتمہ کے بعد اب وہ حالات ختم ہوگئے۔ نئی صورت حال یہ ثابت کررہی ہے کہ

ان کا معاملہ دراصل وہی معاملہ ہے جس کی تصویر قدیم عرب شاعر کے اس شعر میں ملتی ہے کہ کبھی، ہم اپنے بھائی بکر پر حملہ کر دیتے ہیں جب کہ اپنے بھائی کے سوا کوئی اور موجود نہ ہو:

واحیاناعلی بکر اخینا      اذا مالم نجد الّا اخانا

حقیقی اسلامی جہاد فتح سے پہلے اگر "اشداء علی الکفار" کا نمونہ ہوتا ہے تو فتح کے بعد وہ "رحماء بینہم" کا نمونہ بن جاتا ہے۔ یہی صفت کسی جہاد کو تاریخ ساز عمل بناتی ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اصحاب رسول جو اغیار سے لڑائی کے مقابلہ میں بے لچک مجاہد بنے ہوئے تھے، فتح کے بعد اپنوں کے لئے وہ سراپا نرم بن گئے۔

اس جہاد میں دو بڑے گروہ، مہاجرین اور انصار شریک تھے۔ فتح کے بعد سیاسی اقتدار تمام تر مہاجرین کے قبضہ میں دیدیا گیا۔ انصار کو نہ امیر بنایا گیا اور نہ وزیر۔ مگر وہ اپنی اس "سیاسی محرومی" پر راضی رہے۔ یہاں تک کہ ایک ایک کر کے اس دنیا سے چلے گئے اور کسی نے بغاوت نہیں کی۔

افغانستان کے "مجاہدین" میں اس کے برعکس منظر دکھائی دیتا ہے۔ اس سے پہلے وہ بیرونی دشمن سے لڑ رہے تھے۔ مگر جب بیرونی دشمن چلا گیا تو اب وہ ایک دوسرے کے خلاف صف آرائی کر کے خود آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ہر افغان لیڈر سیاسی منصب پر فائز ہونا چاہتا ہے۔ کوئی بھی سیاسی محرومی کے لئے راضی نہیں۔

۲۶ اپریل ۱۹۹۲ کو افغانی مجاہدین نے کابل پر قبضہ کر لیا تھا۔ روسی فوجیں مکمل طور پر افغانستان سے واپس چلی گئی تھیں۔ اب پورا ملک افغانیوں کے اپنے قبضہ میں تھا۔ اب ملک کے اندر مکمل امن قائم ہو جانا چاہئے تھا۔ مگر عملاً ایسا نہیں ہوا۔ چوں کہ افغانستان میں کوئی واحد لیڈر شپ موجود نہ تھی، اس لئے بہت سے دعویدار پیدا ہو گئے جن کا خیال تھا کہ ان کو حق ہے کہ وہ افغانستان پر اپنی سرداری قائم کریں۔ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے حق میں دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ تھا چنانچہ خود افغانی لیڈروں کے درمیان اقتدار کی جنگ شروع ہو گئی۔

امریکہ نے تمام جنگجو گروہوں کو بڑی مقدار میں ہتھیار دئے تھے۔ یہ ہتھیار جو پہلے روسی فوجوں کے خلاف استعمال ہوتے تھے، اب وہ آپس کی لڑائی میں استعمال ہونے لگے۔ کابل اور دوسرے مقامات پر راکٹوں کی بارش شروع ہو گئی۔ اس صورتحال کا اندازہ کرنے کے لئے اگلے صفحہ پر کچھ اخباری سرخیاں نقل کی جاتی ہیں:

| | |
|---|---|
| احمد شاہ مسعود اور حکمت یار کے مجاہدین میں لڑائی چھڑ گئی، زبردست فائرنگ | نوائے وقت، ۲۱ اپریل ۱۹۹۲ |
| کابل فتح ہوگیا، حکمت یار اور احمد شاہ مسعود میں ٹھن گئی | نوائے وقت، ۲۶ اپریل ۱۹۹۲ |
| حکمت یار کی پوزیشنوں پر مسعود فضائیہ کی بمباری، مشین گنیں گولیاں اگلتی رہیں | نوائے وقت، ۲۸ اپریل ۱۹۹۲ |
| کابل پر راکٹوں اور توپوں کے گولوں کی بارش، گزشتہ ہفتہ کی لڑائی سے زیادہ شدید | نوائے وقت، ۵ مئی ۱۹۹۲ |
| کابل پر حملہ، حزب اسلامی شہر پر راکٹ اور گولے برسا رہی ہے | نوائے وقت، ۹ اگست ۱۹۹۲ |
| کابل میں شدید لڑائی، ۹۰ منٹ کے اندر کابل پر ۶۵ سے زاید راکٹ برسائے گئے | نوائے وقت، ۱۱ اگست ۱۹۹۲ |
| کابل میں دست بدست لڑائی، پرانا شہر ملبہ کا ڈھیر بن چکا ہے | نوائے وقت، ۱۲ اگست ۱۹۹۲ |
| افغان طیاروں کی حزب اسلامی کے ٹھکانوں پر شدید بمباری، کابل پر تین ہزار راکٹ گرے | نوائے وقت، ۱۳ اگست ۱۹۹۲ |
| راکٹوں اور کلسٹر بموں نے کابل کو خون میں نہلا دیا، لاشیں ہی لاشیں بکھری پڑی ہیں | نوائے وقت، ۱۴ اگست ۱۹۹۲ |
| کابل میں گھمسان کی جنگ، نصف شب تک راکٹوں کے شدید حملے | نوائے وقت، ۱۸ اگست ۱۹۹۲ |
| کابل شہر اور ایرپورٹ پر راکٹوں اور گولوں کی بارش۔ ہزاروں کی تعداد میں نقل مکانی | نوائے وقت، ۱۹ اگست ۱۹۹۲ |
| کابل پر راکٹوں کی بارش، بھاری گولہ باری سے دور تک دھواں ہی دھواں | جسارت، ۲۵ اگست ۱۹۹۲ |
| سارا دن راکٹ اور میزائل آبادیوں پر بارش کی طرح برستے رہے، کابل میں عام لوٹ مار | نوائے وقت، ۲۸ اگست ۱۹۹۲ |
| افغان قوم کا خودکشی کرنے کا عزم بالجزم (تجزیہ) | نوائے وقت، یکم ستمبر ۱۹۹۲ |
| کابل پر راکٹوں کی بارش، شدید جنگ اور انسانی جانوں کا ضیاع | وفاق ۴ فروری ۱۹۹۳ |
| کابل میں رات بھر شدید گولہ باری، سڑک پر نکلنا موت کے برابر | نوائے وقت، ۵ فروری ۱۹۹۳ |
| کابل پر شدید گولہ باری، ہر طرف خون ہی خون بکھر گیا | نوائے وقت، یکم مارچ ۱۹۹۳ |
| کابل کی سڑکیں لہولہان ہوگئیں، ۱۲۰ ملی میٹر دہانے کی توپوں سے گولہ باری | نوائے وقت، ۱۰ مارچ ۱۹۹۳ |
| کابل پر راکٹوں کی بارش، سو افراد ہلاک و زخمی، عمارتوں کو کافی نقصان | نوائے وقت، یکم اپریل ۱۹۹۳ |
| کابل پر ایک بار پھر راکٹوں اور توپوں سے حملہ | نوائے وقت، ۴ مئی ۱۹۹۳ |
| کابل میں بدترین لڑائی، سڑکیں لاشوں سے بھر گئیں، دو گھنٹے میں شہر پر تین سو راکٹ گرے | نوائے وقت، ۱۳ مئی ۱۹۹۳ |
| کابل کی نئی لڑائی میں ایک ہزار افراد ہلاک و زخمی، بازاروں پر شدید گولہ باری | نوائے وقت، ۱۴ مئی ۱۹۹۳ |
| کابل شہر پر راکٹوں کی بارش، جلتی ہوئی عمارتوں کے دھوئیں سے آسمان سیاہ ہوگیا | نوائے وقت، ۱۵ مئی ۱۹۹۳ |
| حزب وحدت اور ربانی کی فوجوں میں شدید لڑائی، مغربی کابل میں پچاس راکٹ گرے | نوائے وقت، ۲۶ جون ۱۹۹۳ |
| حکمتیار اور ربانی کی فوجوں کے درمیان گھمسان کی جنگ اور خوں ریزی | قومی آواز ۱۷ نومبر ۱۹۹۳ |

مئی ۱۹۹۲ کے تیسرے ہفتہ میں حکمتیار اور احمد شاہ مسعود کے درمیان کئی بار ملاقات کا پروگرام بنا مگر ملاقات نہ ہو سکی۔ جنرل عبد الرشید دوستم کو صبغۃ اللہ مجددی کی حکومت نے ترقی دے کر مکمل جنرل (full general) بنا دیا۔ اب حکمتیار اور جنرل دوستم کے درمیان لڑائی چھڑ گئی۔ چودہ سال کے سول وار کے بعد افغانستان میں دو ملین افغانی مر گئے۔ تین ملین افغانی زخمی یا ناکارہ ہو گئے اور چھ ملین افغانی رفیوجی ہو گئے (ہندستان ٹائمس ۲۴ مئی ۱۹۹۲)

صبغۃ اللہ مجددی ۲۸ اپریل ۱۹۹۲ کو نئے افغانستان کے کارگزار (caretaker) صدر مقرر ہوئے۔ دو مہینہ بعد ۲۸ جون ۱۹۹۲ کو انھوں نے استعفا دے دیا۔ اس کے بعد برہان الدین ربانی عارضی حکومت کے صدر مقرر ہوئے۔

المجلۃ ایک ممتاز عربی ہفت روزہ ہے۔ وہ جدہ میں چھپتا ہے اور لندن سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے شمارہ ۵-۱۱ اگست ۱۹۹۲ (۷-۱۳ صفر ۱۴۱۳ھ) میں صفحہ ۳۰-۳۱ پر ایک رپورٹ افغانستان کے بارہ میں چھپی ہے۔ اس کا عنوان ہے ــــــ افغانی قوم سب سے زیادہ خسارہ میں (الشعب الأكبر الخاسرين) اس رپورٹ کا خلاصہ اس کے ان لفظوں میں بیان ہوا ہے:

| | |
|---|---|
| الحرب لم تتوقف ابداً في افغانستان والمعارك اليوم هي بين فصائل المجاهدين الذين يتقاتلون على كرسي السلطة بعد ان سقطت عنها رموز النظام الشيوعي السابق | افغانستان میں جنگ بالکل بند نہیں ہوئی۔ آج وہاں مجاہدین کی مختلف جماعتوں کے درمیان معرکے جاری ہیں جو کہ اقتدار کی کرسی کے لئے آپس میں لڑ رہے ہیں، جب کہ افغانستان میں سابق اشتراکیت نواز حکومت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ |

آزادی حاصل ہونے کے باوجود کابل پر راکٹوں کی بارش نے ہر جگہ مسلمانوں کو بے چین کر دیا۔ افغانی لیڈر پہلے عمرہ کے لئے مکہ لے جائے گئے اور وہاں ان کی ملاقات سعودی ذمہ داروں سے ہوئی۔ اس کے بعد اگست ۱۹۹۲ میں وہ لوگ اسلام آباد میں اکٹھا ہوئے۔ اس وقت کے پاکستانی وزیر اعظم نواز شریف کے ساتھ کئی روز تک بات چیت ہوئی۔ آخر کار مختلف افغانی لیڈروں کے درمیان وہ معاہدہ طے پایا جس کو معاہدہ اسلام آباد کہا جاتا ہے۔

لاہور کے اخبار نوائے وقت (۳۰ اگست ۱۹۹۲) کی صفحہ اول کی پہلی سرخی یہ تھی: ربانی اور حکمت یار میں معاہدہ، جنگ بندی کردی گئی۔ لاہور کے دوسرے اخبار وفاق (۳۰ اگست ۱۹۹۲) نے ان الفاظ میں سرخی قائم کی: کابل میں پائیدار امن کا معاہدہ طے پایا۔ وفاق (۳۱ اگست ۱۹۹۲) کے مطابق وزیر اعظم نواز شریف نے ایک بیان میں کہا: افغانستان میں جنگ بندی پاکستان کا شاندار کارنامہ ہے۔

دنیا بھر کے مسلم پریس نے اس معاہدہ کو غیر معمولی اہمیت دی۔ ریاض کے عربی ہفت روزہ الدعوۃ (۲۴ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ) نے ایک رپورٹ چھاپی جس کا عنوان یہ تھا کہ دنیا آج زمین پر ایک نئی اسلامی حکومت کے قیام کا مشاہدہ کر رہی ہے (العالم یشہد الیوم قیام دولة اسلامية حديثة على الارض)

معاہدۂ اسلام آباد کا مکمل متن

افغان رہنماؤں میں جو معاہدہ اسلام آباد میں ہوا ہے اس کا متن درج ذیل ہے۔

ہم اللہ تعالی کی رضا کی خاطر سر تسلیم خم کرتے ہیں اور قرآن حکیم اور سنت سے رہنمائی حاصل کرنے کا عہد کرتے ہیں۔

ہم اس موقع پر غیر ملکی تسلط کے خلاف افغان عوام کے عظیم الشان جہاد کی شاندار کامیابی یاد کرتے ہیں۔

ہم اس بات کے خواہش مند ہیں کہ افغان عوام کے لئے اس عظیم الشان جہاد کے ثمرات یعنی امن، ترقی اور خوشحالی کو یقینی بنایا جائے۔

ہم مسلح جدوجہد ختم کرنے پر متفق ہیں۔

ہم وسیع البنیاد اسلامی حکومت کے قیام کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں جن میں مسلم افغان معاشرہ کے تمام طبقوں، گروپوں اور پارٹیوں کی نمائندگی ہو تاکہ پر امن نظم وضبط اور استحکام کے ماحول میں سیاسی عمل میں پیش رفت ہو سکے۔

ہم افغانستان کے اتحاد خود مختاری اور علاقائی سالمیت کے تحفظ کے پابند ہیں۔

ہم افغانستان کی تعمیر نو آبادکاری اور تمام افغان مہاجرین کی سہولت کے ساتھ واپسی کی فوری

ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں۔

ہم علاقہ میں امن اور سلامتی کو فروغ دینے کے پابند ہیں۔ ہم نے خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کی اس خواہش پر لبیک کہا ہے کہ افغان بھائی تمام اختلافات پُر امن مذاکرات کے ذریعہ حل کریں۔

ہم اسلامی جمہوریہ پاکستان کے وزیر اعظم محمد نواز شریف کے تعمیری کردار اور افغانستان میں فروغ امن اور مفاہمت کے لئے ان کی مخلصانہ کوششوں کو سراہتے ہیں۔

ہم ان کوششوں کی خاطر مملکت سعودی عرب اور اسلامی جمہوریہ ایران کی مثبت حمایت کرتے ہیں جنھوں نے اسلام آباد میں ہونے والی مفاہمت کے مذاکرات میں اپنے خصوصی نمائندے بھیجے۔

انھوں نے عظیم الشان جہاد کے ثمرات کو مستحکم کرنے کے لئے ہم سے علٰحدہ علٰحدہ اور مشترکہ طور پر طویل مذاکرات کئے۔

تمام متعلقہ پارٹیاں اور گروپ حسب ذیل امور پر متفق ہیں۔

۱۔ ۱۸ ماہ کے لئے حکومت کی تشکیل جس میں برہان الدین ربانی صدر رہیں گے اور انجنیئر گلبدین حکمت یار یا ان کے نمائندے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالیں گے۔ وزیر اعظم اور ان کی کابینہ جو باہمی مشورے سے تشکیل دی جائے گی، کے اختیارات اس معاہدہ کا ایک حصہ ہوں گے جو علٰحدہ دئے گئے ہیں۔

۲۔ وزیر اعظم اس معاہدہ پر دستخط ہونے کے دو ہفتے کے اندر صدر اور مجاہدین کی جماعتوں کے رہنماؤں کے مشورہ سے کابینہ تشکیل دیں گے۔

۳۔ حسب ذیل انتخابی طریقہ کار پر سمجھوتہ ہوگیا ہے جس پر ۱۸ ماہ میں عملدر آمد کیا جائے گا۔ اور اس مدت کا آغاز ۲۹ دسمبر ۱۹۹۲ء سے ہوگا۔

الف۔ تمام جماعتیں باہم مل کر ایک آزاد اور با اختیار الیکشن کمیشن فوری طور پر تشکیل دیں گی۔

ب۔ الیکشن کمیشن کو اس معاہدہ پر دستخط کی تاریخ سے ۸ ماہ کے اندر دستور ساز اسمبلی کے انتخابات کرانے کا اختیار دیا جائے گا۔

ج ۔ اس طرح منتخب شدہ عظیم دستور ساز آسمبلی ایک آئین مرتب کرے گی جس کے تحت مذکورہ ۱۸ ماہ کی مقررہ مدت میں صدر اور پارلیمنٹ کے لئے عام انتخابات ہوں گے۔

د ۔ ہر پارٹی کے دو ارکان پر مشتمل دفاعی کونسل قائم کی جائے گی؛

الف ۔ جو قومی فوج تیار کرے گی۔

ب ۔ جو تمام پارٹیوں اور ذرائع سے بھاری اسلحہ واپس لے گی اور یہ اسلحہ کابل اور دوسرے شہروں سے دور منتقل کیا جائے گا تاکہ دار الحکومت کی سلامتی کو یقینی بنایا جائے۔

ت ۔ اس بات کو یقینی بنائے گی کہ افغانستان میں تمام سڑکیں عام استعمال کے قابل رہیں۔

ث ۔ اس بات کو یقینی بنائے گی کہ نجی فوج یا مسلح افراد کو سرکاری فنڈ سے مالی امداد نہ دی جائے۔

ج مسلح جدوجہد کے دوران حکومت اور مختلف جماعتوں نے جن افغان باشندوں کو گرفتار کیا ہے انھیں فوراً غیر مشروط طور پر رہا کر دیا جائے گا۔

ح ۔ جنگ کے دوران مختلف مسلح گروپوں نے جن سرکاری اور نجی عمارتوں، رہائشی علاقوں اور جائداد وغیرہ پر قبضہ کیا ہے وہ ان کے اصل مالکان کو واپس کر دی جائیں گی۔ بے گھر ہونے والے افراد کی ان کے متعلقہ گھروں اور مقامات پر واپسی کے لئے مؤثر اقدامات کئے جائیں گے۔

خ ۔ مالیاتی نظام اور کرنسی کے قواعد وضوابط کی نگرانی کے لئے ایک کل جماعتی کمیٹی قائم کی جائے گی تاکہ انھیں موجودہ افغان بنکنگ کے قوانین اور ضوابط کے ہم آہنگ بنایا جاسکے۔

م ۔ کابل شہر میں خوراک ایندھن اور ضروری اشیاء کی تقسیم کی نگرانی کے لئے ایک کمیٹی قائم کی جائے گی۔

ن ۔ جنگ بندی پر فوری طور پر عمل ہوگا۔ کابینہ کی تشکیل کے بعد جارحانہ کارروائیاں مستقل طور پر ختم ہو جائیں گی۔

و ۔ جنگ بندی اور جارحانہ کارروائیوں کے خاتمہ کی نگرانی کے لئے اسلامی کانفرنس تنظیم (او آئی سی) اور تمام افغان جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک مشترکہ کمیشن قائم کیا جائے گا۔

مذکورہ معاہدہ کو منظور کرتے ہوئے حسب ذیل رہنماؤں نے ۷ مارچ ۱۹۹۳ بروز اتوار اسلام آباد پاکستان میں دستخط کئے۔ پروفیسر برہان الدین ربانی، جمعیت اسلامی، صدر اسلامی مملکت

افغانستان۔ انجینئر گلبدین حکمت یار، حزب اسلامی۔ مولوی محمد نبی محمدی، حرکت انقلاب اسلامی۔ پروفیسر صبغت اللہ مجددی، جبہ نجات ملی۔ پیر سید احمد گیلانی، محاذ ملی۔ انجینئر احمد شاہ احمد زئی، اتحاد اسلامی۔ شیخ آصف محسنی، حرکت اسلامی۔ آیت اللہ فاضل، حزب وحدت اسلامی۔ (ماخوذ از تکبیر، کراچی)

یہ معاہدہ امن افغانی قوم کے مزاج کے مطابق نہ تھا۔ وہ بس پکڑ دھکڑ کر کیا گیا تھا۔ چنانچہ معاہدہ کے جلد ہی بعد وہ خونیں لڑائی دوبارہ جاری ہوگئی جو اس معاہدہ سے پہلے جاری تھی۔ اس معاملہ میں دنیا بھر کے مسلمانوں کی اپیلیں غیر مؤثر ثابت ہو رہی ہیں۔ اپیلوں کے غیر مؤثر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مختلف ملکوں کے مسلمان خود بھی ان لوگوں سے لڑ رہے ہیں جن سے ان کو اختلاف ہے۔ پھر ان کی لفظی اپیل پر افغانی لوگ کیوں اپنی لڑائی بند کر دیں۔ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کو پہلے اختلاف کے باوجود پر امن تعلقات کا نمونہ پیش کرنا ہوگا۔ اس کے بعد ہی ان کی اپیلوں میں کوئی وزن پیدا ہو سکتا ہے۔

ساری دنیا کا مسلم پریس جو پہلے جہاد افغانستان کے پر فخر تذکرہ سے بھرا رہتا تھا۔ اب اس کے برعکس خبروں سے بھرا رہنے لگا۔ ریاض کے ہفت روزہ الدعوۃ (۶ جنوری ۱۹۹۴) نے اپنی رپورٹ کی سرخی ان الفاظ میں قائم کی: ابناء افغانستان یدمرونہا۔ یعنی افغانستان کے باشندے خود ہی اپنے ملک کو تباہ کر رہے ہیں۔ نوائے وقت (۴ مارچ ۱۹۹۴) کی ایک سرخی یہ تھی: کابل میں جنگ کے شعلے پھر بھڑک اٹھے۔ ہندستان ٹائمس (۸ مئی ۱۹۹۲) کی ایک رپورٹ کی سرخی یہ تھی:

لاہور کے روزنامہ نوائے وقت (یکم نومبر ۱۹۹۲) نے افغانستان سے متعلق ایک رپورٹ میں لکھا تھا:

پشاور معاہدہ میں دراڑیں پڑ چکی ہیں۔ اقتدار میں شامل حضرات ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ انسانی، دینی اور قومی کسی بھی قسم کی قدروں کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔ جو مجاہد اسلام کے نام پر جہاد کر رہے تھے، اب اسلام کے نام پر ہی مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں، کیا یہ بعد از جنگ مال غنیمت کی تقسیم کا جھگڑا ہے؟ سالہا سال کیا اسی امید پر لڑتے رہے؟

روس تو اب جا چکے۔ کیونسٹ تو اب اقتدار میں نہیں رہے۔ پھر یہ جنگ وجدال کس کے خلاف ہے۔ جہاد تو کامیاب ہوگیا۔ ختم ہوگیا اب تو محض قتل وغارت گری ہے یا مال غنیمت کی ہوس۔

خلاصہ کلام

اصل یہ ہے کہ بشمول افغانستان، ساری دنیا کے مسلمانوں کی مشترک کمزوری یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں اٹھنے والے رہنماؤں نے انھیں جنگ وقتال والے اسلام سے واقف کرایا۔ صبر واعراض والا اسلام موجودہ مسلم نسلوں کو بتایا ہی نہیں گیا۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کی اکثریت اس طرح کی گئی ہے کہ وہ لڑنے بھڑنے کو جہاد سمجھتے ہیں۔ اور صبر کی پالیسی کو بزدلی سمجھنے لگے ہیں۔ اسی مزاجی کمی کا نتیجہ افغانستان کی خانہ جنگی ہے۔ اور اسی مزاجی کمی کا نتیجہ اس قسم کے دوسرے تمام مسائل۔

کشمیر سے لے کر بوسنیا تک اور برما سے لے کر الجزائر تک مسلمانوں کی تمام لڑائیاں اسی بگڑے ہوئے مزاج کا نتیجہ ہیں جن کو غلطی سے جہاد سمجھا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کی یہ نفسیات اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ جہاں گن کلچر چلانے کے مواقع موجود نہیں ہیں وہاں وہ اپنی زبان وقلم کو جارحیت کا آلہ بنائے ہوئے ہیں۔ ناموافق باتوں کو برداشت کرتے ہوئے پرامن طور پر اپنے مقصد کے لئے جدوجہد کرنا ہی اس دنیا میں کامیابی کا واحد ذریعہ ہے۔ مگر موجودہ زمانہ کے مسلم رہنماؤں نے اپنی غلط رہنمائی کے ذریعہ مسلمانوں کو اس حکمت سے یکسر محروم کر دیا ہے۔

یہی واحد وجہ ہے جس نے موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کو برباد کر رکھا ہے۔ جو لوگ مسلمانوں کی بربادی کو دشمنان اسلام کے خانہ میں ڈال رہے ہیں وہ صرف اپنی نادانی کا اعلان کر رہے ہیں۔ اس قسم کی باتوں کا تعلق نہ قرآن سے ہے اور نہ تاریخ سے۔

## اسپین کا سفرنامہ

اسپین کا سفرنامہ زیر تیاری ہے۔ اس کی خصوصی اہمیت کی بنا پر اس کو ایک ہی شمارہ میں بطور نمبر شائع کیا جائے گا۔ اس کی ضخامت موجودہ الرسالہ سے زیادہ ہوگی اس لیے اس کی قیمت بھی کچھ زیادہ ہوگی۔ تفصیلی اعلان ان شاء اللہ آئندہ شائع کیا جائے گا۔

منیجر الرسالہ

# ایک سفر

اسلامک سوسائٹی آف آرنج کاونٹی (کیلی فورنیا، امریکہ) کے زیر اہتمام چھٹی انٹرنیشنل سیرت کانفرنس کیلی فورنیا میں ۲۵ - ۲۶ دسمبر ۱۹۹۳ کو ہوئی۔ اس میں خطاب کرنے کے لئے مجھے مدعو کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں امریکہ کا سفر ہوا۔ ذیل میں اس سفر کی روداد درج کی جاتی ہے۔

دہلی سے روانگی ۲۲ اور ۲۳ دسمبر کی درمیانی رات کو ہوئی۔ اب سے ۴۴ سال پہلے اسی تاریخ کی درمیانی رات میں اجودھیا کی بابری مسجد کے اندر رام کی مورتیاں رکھ دی گئی تھیں۔ اس کے بعد دونوں فرقوں کے درمیان مختلف واقعات پیش آتے رہے۔ یہاں تک کہ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ کو اکثریتی فرقہ سے تعلق رکھنے والی ایک بھیڑ اجودھیا میں اکٹھا ہوئی اور اس نے بابری مسجد کو ڈھاکر وہاں ایک عارضی مندر بنا دیا۔

آج کے اردو اخبار میں دہلی کے ایک خود ساختہ مسلم لیڈر نے مسلمانوں سے یہ اپیل کی تھی کہ وہ ۲۳ دسمبر کو بابری مسجد پر غیر قانونی قبضہ کی یادگار منائیں۔ عملاً یہ اپیل غیر مسموع ہو کر رہ گئی۔ تاہم میں نے سوچا کہ یہ نام نہاد مسلم لیڈر اگر ہوش مند ہوتے تو وہ مسلمانوں سے کہتے کہ اب تم "یوم احتجاج" منانا چھوڑ دو، اب تم "یوم شکر" مناؤ۔ کیوں کہ ملک کی انتہاپسند طاقتوں نے ۴۴ سال کے اندر اپنی تمام تخریبی طاقت استعمال کر ڈالی۔ اس کے باوجود ملت اسلامی کا قافلہ انڈیا میں اور ساری دنیا میں آگے بڑھ رہا ہے۔ اس قسم کے واقعات تو ہماری گاڑی کے لئے گویا راستہ کی وہ رکاوٹیں (frictions) ہیں جو گاڑی کو تیز دوڑنے میں مددگار کا کام کرتی ہیں۔

رات کو ساڑھے گیارہ بجے گھر سے نکلا تو میری زبان پر یہ دعا تھی: اَللّٰھُمَّ اَنتَ الصاحبُ فی السفر و الخلیفۃ فی الاھل (اے اللہ، تو ہی میرے سفر کا ساتھی ہے اور تو ہی میرے اہل میں خلیفہ ہے)

میرے بچپن میں مولانا اسماعیل میرٹھی کی اردو ریڈریں پڑھائی جاتی تھیں۔ اگرچہ اس کے بعد سیکڑوں یا شاید ہزاروں درسی کتابیں لکھی گئی ہیں مگر ویسی اردو ریڈر آج بھی کوئی دوسری

موجود نہیں۔

اس ریڈر میں دو کبوتروں کا قصہ تھا۔ ایک کا نام تھا یا زندہ، دوسرے کا باز ندہ۔ ایک نے دوسرے سے کہا چلو، دنیا کی سیر کریں۔ اس نے ہچکچاہٹ ظاہر کی۔ اس پر پہلے والے نے کہا:

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں

میرا حال یہ ہے کہ "نوجوانی" کی عمر میں بھی سفر میرے لئے پسندیدہ چیز نہ تھا۔ اب 'بڑھاپے' کی عمر میں تو اس کے پسندیدہ ہونے کا سوال ہی نہیں۔ پہلے اگر سفر میرے لئے غیر مرغوب تھا تو اب سفر میرے لئے مصیبت بن چکا ہے۔ تاہم ایک شخص جو کوئی مشن چلا رہا ہو اس کے لئے اس دنیا میں سفر کے بغیر چارہ بھی نہیں۔

گھر سے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے رات کو روانہ ہوا۔ دہلی ایرپورٹ پہنچا تو گھڑی میں سوا بارہ کا وقت تھا۔ گویا کہ گھر سے میں ۲۲ دسمبر کو نکلا اور ایرپورٹ پہنچا تو ۲۳ دسمبر کی تاریخ شروع ہو چکی تھی۔ ایرپورٹ کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے آخری گیٹ پر پہنچا جہاں لوگوں کا سفری بیگ ایک خاص مشین سے گزارا جاتا ہے۔ یہاں پولیس کے دو آدمی بیٹھے ہوئے اسکرین پر اپنی نظر جمائے ہوئے تھے۔ اسکرین پر ہر آدمی کے بیگ کا اندر کا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ مثلاً ایک بیگ کے اندر کالی لمبی سی چیز دکھائی دی۔ وہ بیگ فوراً روک لیا گیا۔ مسافر سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ اس کے اندر ایک لمبی چھری رکھی ہوئی تھی۔

میں نے سوچا کہ اسی طرح خدا اپنے عالمی انتظام کے تحت ہر شخص کے اندرون کو دیکھ رہا ہے۔ اوپر سے آدمی خواہ جو بھی لبادہ اوڑھے ہوئے ہو، مگر خدا اندر کی حقیقتوں تک سے واقف ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو آدمی کے اندر احتساب ذات کا مزاج پیدا کرتا ہے۔ آدمی چاہنے لگتا ہے کہ خدا کے یہاں حساب کئے جانے سے پہلے وہ خود اپنا حساب کر لے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو حدیث میں ان لفظوں میں بتائی گئی ہے ـــــ حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا۔

ایرپورٹ کی انتظار گاہ میں میرے پاس دو آدمی اجنبی زبان میں بات کر رہے تھے۔ لباس سے وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ معلوم ہوتے تھے۔ میں نے انگریزی میں پوچھا کہ آپ لوگ کون سی زبان

بول رہے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ تبتی زبان۔ مزید گفت گو سے معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک تبتی ہے اور دوسرا بھوٹانی۔ دونوں کا تعلق بدھ مذہب سے تھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ لوگ دلائی لاما کو ریلیجس ہیڈ سمجھتے ہیں یا گاڈ۔ مسٹر وانگچوک (Jigme Wangchuk) نے جواب دیا:

He is everything for us.

(وہ ہمارے لئے سب کچھ ہیں) یہ لوگ دلائی لاما کو خدا کی طرح مقدس سمجھتے ہیں۔ موجودہ دلائی لاما چودھویں دلائی لاما ہیں۔ ۱۹۴۰ میں وہ تبت میں روحانی اور دنیوی حاکم مقرر ہوئے۔ مگر تبت پر چینی قبضہ کے خلاف ناکام بغاوت کے بعد ۱۹۰۹ میں وہ بھاگ کر انڈیا آ گئے۔ تاہم تبتیوں کی نظر میں ان کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔

دہلی ایرپورٹ پر ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ مسلم عورتوں کے پچھڑے پن کی بات کرنے لگے۔ میں نے کہا کہ یہ ایک چلی ہوئی بات ہے جس کو لوگ سوچے سمجھے بغیر دہراتے ہیں۔ ورنہ آج مسلم خواتین کا تعلیمی معیار چالیس سال پہلے کے مقابلہ میں بہت بڑھ چکا ہے۔

اتفاق سے میرے پاس آج کا ٹائمس آف انڈیا (۲۲ دسمبر) تھا۔ اس کے درمیانی صفحہ پر ایک رپورٹ مسلم خواتین کی تعلیمی حالت کے بارہ میں چھپی ہوئی تھی۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ آج مسلم خواتین تعلیم کے میدان میں تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔ مثال کے طور پر اس میں بتایا گیا تھا کہ حال میں پٹنہ کی ایک لڑکی بہار پبلک سروس کمیشن کے انٹرویو میں شریک ہوئی۔ یہ انٹرویو آیورویدک سسٹم کی ایک پوسٹ کے بارہ میں تھا۔ مسلم خاتون نے مقابلہ میں ٹاپ کیا۔ اس نے ویدوں کے اشلوک اتنی روانی کے ساتھ سنائے کہ انٹرویو لینے والے ماہرین حیرت زدہ رہ گئے:

> A Muslim girl from Patna appeared for the Bihar Public Service Commission examination for a post in Ayurvedic system and topped the list. All the examiners which included Ayurvedic experts judged her to be the best candidate. She could, with great fluency, cite vedic slokas which surprised everyone.

میں نے کہا کہ پچھلے پچاس سال کے دوران نا اہل مسلم لیڈروں نے مسائل کی اتنی رٹ

لگائی کہ مسلمان وقتی طور پر بھول گئے کہ مسائل کے باوجود یہاں بے شمار مواقع بھی ان کے لئے موجود ہیں۔ اب تجربات کے بعد ہندستانی مسلمان اپنے نااہل لیڈروں کی گرفت سے باہر آگئے ہیں۔ اب وہ مسائل کے خلاف چیخ پکار کے بجائے مواقع کو استعمال کرنے پر توجہ دے رہے ہیں۔ اس تبدیلی نے اب مسلمانوں کو ایک نئے دور ترقی میں داخل کر دیا ہے۔

دہلی سے سوئس ایر کی فلائٹ ۱۹۵ کے ذریعہ روانگی ہوئی۔ ۲۳ دسمبر کو ٹھیک دو بجے جہاز روانہ ہوا۔ آجکل سوئس ایر اول درجہ کی ہوائی کمپنی سمجھی جاتی ہے۔ اس کا انتظام معیاری نظر آیا۔ میں نے دہلی میں لکھوا دیا تھا کہ میرے لئے ایشیائی ویجیٹرین کھانا (Asian Vegetarian meal) دیا جائے۔ چنانچہ مزید فرمائش کے بغیر میری سیٹ پر ویجیٹرین کھانا پہنچتا رہا۔ کچھ وقت سونے میں اور کچھ اخبار اور میگزین پڑھتے گزرا۔

انٹرنیشنل ہرالڈ ٹریبون (۲۲ دسمبر) میں ایڈورڈ ڈیمنگ (W.Edwards Deming) کے حالات شائع ہوئے تھے جن کا ابھی ۲۰ دسمبر ۱۹۹۳ کو ۹۳ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ ایڈورڈ ڈیمنگ ایک امریکی ماہر شماریات (statistician) تھے۔ جاپان پر امریکی قبضہ کے بعد ۱۹۴۷ میں وہ امریکی حکومت کے مشیر کی حیثیت سے جاپان آئے۔ ۱۹۵۰ میں انھوں نے ٹوکیو میں ایک لکچر دیا۔ یہ لکچر کوالٹی کنٹرول کے بارہ میں تھا۔ انھوں نے جاپانیوں کو بتایا کہ کس طرح شماریاتی طریقہ کو اشیاء کے نقص کو دریافت کرنے میں استعمال کیا جا سکتا ہے بجائے اس کے کہ صرف نگرانی پر اعتماد کیا جائے:

He taught Japanese how to use statistical methods to discover the cause of product defects, instead of relying only on inspections.

جاپانیوں نے بہت دلچسپی لی اور فوراً اس کو پکڑ لیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جاپان کے کارخانے جو پہلے خراب سامان کے لئے مشہور تھے، اب بے نقص سامان بنانے لگے۔ انھوں نے ڈیمنگ کو اتنی اہمیت دی کہ اس کے نام پر ایک ڈیمنگ انعام (Deming Prize) جاری کر دیا۔ جاپان میں مقبولیت کے ۳۰ سال بعد اپنے وطن امریکہ میں ڈیمنگ کا اعتراف کیا گیا جب کہ فورڈ کمپنی نے ۱۹۸۱ میں اس کو اپنا مشیر مقرر کیا۔ جاپان کے لوگ اس امریکی کو کوالٹی کنٹرول کا دیوتا

(god of quality control) کہتے ہیں۔

اعتراف کا یہ مزاج کسی بھی ترقی کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ جاپانی اگر اپنے آپ میں گم رہتے، وہ باہر سے نئی چیز لینے کی کوشش نہ کرتے تو وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتے تھے۔ جاپانیوں کے اسی مزاج کا نتیجہ ہے کہ نیکس کا طریقہ امریکہ میں دریافت ہوا مگر اس کو سب سے پہلے مارکٹ میں لانے والے جاپانی تھے۔

جس وقت ہمارا جہاز یورپ کے اوپر سے پرواز کر رہا تھا، مجھے یاد آیا کہ یہی وہ سرزمین ہے جس کے بارہ میں مسلم دنیا میں روز سازش اور ظلم کی داستانیں چھپتی رہتی ہیں۔ مثلاً موجودہ سفر پر روانگی سے پہلے میں نے ایک پاکستانی اخبار (نوائے وقت ۳ دسمبر ۹۳) میں ایک رپورٹ پڑھی اس کا عنوان تھا "مغرب کا مسلم دشمن رویہ"۔

اس میں بتایا گیا تھا کہ سارا مسیحی یورپ مسلمانوں کے خلاف نفرت سے بھرا ہوا ہے۔ مسلم دشمنی یورپ کی رگ رگ میں سرایت کر چکی ہے۔ اس سلسلہ میں کہا گیا تھا: مغربی عیسائیوں میں یہ رجحان واضح ہے کہ یورپ میں کوئی مسلمان مملکت نہ ہو۔ اس پس منظر میں جب یورپ کے عین قلب میں بوسنیا کی مسلم مملکت ابھری تو سرب عیسائی اس پر چڑھ دوڑے اور مغربی ممالک نے ہر ممکن طریق سے ان کی مدد کی تاکہ عین یورپ میں واقع اس مسلم مملکت سے چھٹکارا حاصل ہو۔ یورپ اور امریکہ نے اپنے سیکولرزم کے تمام بلند بانگ نعروں کے باوجود بوسنیا میں مسلمانوں کا قتل عام نہیں روکا۔ بلکہ بوسنیا کو ہتھیاروں کی فراہمی بند کر کے اس قتل عام کو سہل بنا دیا تاکہ نہتے مسلمان کسی مزاحمت کے قابل ہی نہ رہیں (صفحہ ۶)

آجکل تمام مسلم دانشور بوسنیا کے معاملہ کو اس طرح پیش کر رہے ہیں گویا کہ وہ یورپ کی مسلم دشمنی کی یقینی علامت ہے، حالاں کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ بوسنیا خود نام نہاد مسلم دانشوروں اور نااہل مسلم رہنماؤں کی اپنی نادانی کی عبرت ناک مثال ہے۔

بوسنیا اور اس طرح کے دوسرے مقامات میں جو کچھ پیش آیا وہ دراصل شریعت کے اصول ترك المصلحة للمفسدة کی خلاف ورزی کا نتیجہ تھا۔ اس شرعی اصول کا مطلب یہ ہے کہ ہر اس اقدام سے پرہیز کیا جائے جو نتیجہ کے اعتبار سے الٹا (counter-productive)

ثابت ہونے والا ہو۔ بوسنیا اور کشمیر اور فلپائن اور اراکان، اور اس طرح کے ہر دوسرے مقام پر نااہل مسلم لیڈروں نے وہی غلطی کی جس کو عوامی مثل میں "آ بیل مجھے مار" کہا جاتا ہے۔ ہر جگہ وہ خود اپنے غیر دانشمندانہ اقدام کی سزا بھگت رہے ہیں اور اس کا الزام غلط طور پر وہ فریق ثانی کے اوپر ڈالنا چاہتے ہیں۔ مزید تعجب یہ ہے کہ انھیں لوگوں کو سروس آف اسلام کا خطاب دیا جا رہا ہے۔ میں حیران ہوں کہ اگر یہ سروس آف اسلام ہے تو ڈس سروس آف اسلام آخر کس چیز کا نام ہوگا۔ ان کی زیادہ صحیح تصویر اس انگریزی مثل میں ہے:

Fools rush in where angels fear to tread.

سوئس کمپنی کا فلائٹ میگزین (Swissair Gazette) دسمبر ۱۹۹۳ دیکھا۔ اس میں سب کے سب اشتہار یا اشتہاری مضامین تھے۔ ایک اشتہار میں ایک مخصوص بریف کیس کی تصویر تھی۔ اس میں سٹلائٹ ٹیلیفون نصب تھا۔ اور یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ عالمی ٹیلیفون (global telephone) آپ اپنے ساتھ رکھئے اور پھر آپ کسی بھی مقام سے کسی بھی مقام پر ربط قائم کرسکتے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں عوامی مواصلاتی انقلاب کہاں تک پہنچ گیا ہے۔

ساڑھے آٹھ گھنٹہ کی مسلسل پرواز کے بعد جہاز زیورک (سوئزرلینڈ) میں اتر گیا۔ ایئر پورٹ کے اندر چلتے ہوئے ایک دیوار پر ایک روشن بورڈ نظر سے گزرا۔ یہ مقامی ہوٹل کا اشتہار تھا۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

Another 10 minutes and you'll be at the Hilton singing in the shower.

(مزید دس منٹ، اور آپ ہلٹن ہوٹل کے غسل خانہ میں گا رہے ہوں گے) میں نے سوچا کہ کاش، دنیا کے لوگوں کو بتایا جا سکتا کہ اس سے بھی زیادہ بڑا ایک امکان، امنٹ بعد تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ وہ ہے باایمان موت اور اس کے بعد خدا کی جنت میں داخلہ۔

زیورک میں مجھے اگلی فلائٹ کے لئے چھ گھنٹہ تک ٹھہرنا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ متعلقہ کاؤنٹر پر پہنچ کر معلومات حاصل کروں۔ مگر وسیع ایئرپورٹ میں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اتنے میں ایک سفید فام نوجوان نظر آیا جو ایک جگہ کھڑا ہوا تھا۔ اس سے میں نے کہا کہ میری مدد کیجئے۔ کیوں کہ میں یہاں نووارد (new commer) ہوں۔ وہ فوراً میرا ٹکٹ لے کر ساتھ ہوگیا۔ اور متعلقہ کاؤنٹر پر پہنچ کر

ساری معلومات حاصل کیں۔ میں نے شکریہ ادا کیا تو اس نے کہا کہ کوئی بات نہیں، میں بھی کہیں نو وارد ہوں گا اور وہاں کوئی شخص اسی طرح میری مدد کرے گا۔ اس نے اپنا نام کلاؤس بتایا۔

اس سفر میں اپنے عجز کا احساس بہت زیادہ غالب رہا۔ ۲ دسمبر کی دوپہر کو جبکہ میں زیورک ایئرپورٹ پر بیٹھا ہوا تھا، غیر معمولی احساس عجز کے تحت یہ شعر میری زبان پر آگیا:

نہ گلے نہ برگ سبزے نہ ثمر نہ سایہ دارم　　　در حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

زیورک ہی میں ۱۹۵۹ میں ترکوں اور قبرص کے عیسائیوں کے درمیان وہ معاہدہ ہوا جس کو زیورک معاہدہ (Zurich Agreement) کہا جاتا ہے۔ عثمانی ترکوں نے ۱۵۷۰ میں قبرص کو فتح کیا تھا۔ ۱۹۱۴ میں وہ برطانیہ کے قبضہ میں چلا گیا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد جب برطانیہ کی طاقت کمزور ہوئی تو قبرص کے یونانیوں اور ترکوں کے درمیان مسلح تصادم شروع ہوا۔ ترک مسلمان قبرص کی تقسیم چاہتے تھے تاکہ مشرقی قبرص کے مسلم اکثریتی علاقہ کو علیحدہ ملک بنایا جاسکے۔ لمبے خونیں ٹکراؤ کے بعد آخر کار برطانیہ کے دباؤ کے تحت مذکورہ زیورک معاہدہ ہوا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی امن قائم نہ ہوسکا۔ پرتشدد ٹکراؤ کے نتیجہ میں ترکوں نے بہت سی ملی ہوئی چیزیں بھی کھو دیں۔ اور اپنا سیاسی مقصود بھی حاصل نہ کرسکے۔

۲۳ دسمبر کی سہ پہر کو زیورک سے لاس اینجلز کے لئے روانگی ہوئی۔ یہ سفر سوئس ایئر کی فلائٹ ۱۰۶ کے ذریعہ طے ہوا۔ راستہ میں روزنامہ فائننشل ٹائمس (۲۳ دسمبر) کا مطالعہ کیا۔ ایک خبر میں بتایا گیا تھا کہ ساؤتھ افریقہ کی آخری سفید فام پارلیمنٹ نے ۴۵ کے مقابلہ میں ۲۳۷ ووٹوں سے فیصلہ کیا کہ ایک عارضی دستور بنایا جائے جو اکثریت کی حکومت کی بنیاد پر ہو اور اپریل ۱۹۹۴ء میں تمام نسلوں کی شرکت کے ساتھ الکشن کرایا جائے۔

South Africa's last white parliament voted by 237 to 45 to adopt an interim constitution leading to majority rule after all-race elections next April.

ساؤتھ افریقہ کے اس واقعہ میں بہت بڑا سبق ہے۔ ساؤتھ افریقہ میں سفید فام لوگوں نے اپنی حکومت قائم کر رکھی تھی۔ سیاہ فام لوگوں کو ہر قسم کے حقوق سے محروم کئے ہوئے تھے۔ اس کے

خلاف وہاں تحریک اٹھی۔ مگر انھوں نے اس تحریک کو پوری طرح پر امن طور پر چلایا۔ سفید فام حکومت نے ان کے خلاف تشدد کیا۔ مگر اس کا جواب انھوں نے گن کلچر سے نہیں دیا۔ وہ ہر حال میں عدم تشدد کے اصول پر قائم رہے۔ اس کا نتیجہ آخر کار سیاہ فام نسل کی کامیابی کی صورت میں نکلا۔

اس کے مقابلہ میں ان مسلم تحریکوں کی مثال لیجئے جو گن کلچر کے طریقہ پر چلائی گئیں۔ ان تحریکوں نے اپنی قوم کو یا ملک کو بربادی کے سوا کوئی اور تحفہ نہیں دیا۔

زیورک سے لاس اینجلز کا سفر ساڑھے گیارہ گھنٹہ کا تھا۔ یہ طوالت بہت زیادہ تھکا دینے والی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے نیند کی صورت میں انسان کو بڑی عجیب نعمت عطا فرمائی ہے۔ نیند روزمرہ کی زندگی میں وہی کام کرتی ہے جو آپریشن تھیٹر میں مخدرات۔ چنانچہ سفر کے دوران کئی بار گہری نیند آئی اور یہ لمبا گھبرا دینے والا سفر بہ آسانی طے ہو گیا۔

لاس اینجلیز میں کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے سفید فام امریکی نے میرے پاسپورٹ کو چیک کرتے ہوئے پوچھا کہ آپ کا مقصد سفر کیا ہے۔ میں نے کہا کہ کانفرنس میں شرکت۔ دوبارہ پوچھا کہ کونسی کانفرنس۔ میں نے کہا کہ اسلامی کانفرنس۔ بظاہر ایسا محسوس ہوا کہ وہ اب بھی نہیں سمجھا ہے۔ اس نے کہا:

So it is business or pleasure.

میں نے کہا کہ نہ بزنس اور نہ پلیزر بلکہ مشن۔ اس نے مسکرا کر اوکے کہا اور پاسپورٹ پر اسٹمپ لگا کر مجھے دیتے ہوئے کہا: تھینک یو۔

امریکی ذہن کے مطابق، باہر کا ایک شخص جب امریکہ آئے گا تو اس کا مقصد دو میں سے ایک ہو گا ــــــ تجارت یا تفریح۔ اس کے ذہنی سانچہ میں "اسلامی کانفرنس" ایک اجنبی چیز ہے۔ چنانچہ ہوائی جہاز کے اندر جو فارم ہم کو دیا گیا، اس میں مقصد سفر کے خانہ میں یہی دو لفظ لکھے ہوئے تھے۔

لاس اینجلیز ایئرپورٹ پر دو گیٹ ہیں۔ گیٹ اے، اور گیٹ بی۔ میں غلط طور پر گیٹ اے سے باہر آگیا۔ یہاں کوئی صاحب دکھائی نہیں دئے۔ میں کسی قدر پریشانی کے عالم میں کھڑا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اسلامک سوسائٹی کو ٹیلیفون کر کے معلوم کروں۔ اتنے میں ایئرپورٹ کے

ایک صاحب سید بشیر شاہ آگئے۔ دریافت حال کے بعد وہ مجھ کو گیٹ بی کی طرف لے گئے۔ وہاں دو صاحبان میرے انتظار میں موجود تھے۔

ایرپورٹ سے ڈاکٹر سلمان ندوی اور عبد الحمید سیجی صاحب کے ساتھ روانگی ہوئی۔ راستہ میں دونوں صاحبان سے گفتگو ہوتی رہی۔ ڈاکٹر سلمان ندوی ساؤتھ افریقہ کی ایک یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر ہیں۔ انھوں نے کہا کہ فلسطین میں اسرائیل کا اپنے سابقہ موقف سے ہٹ کر فلسطینیوں سے صلح کرنا اور ساؤتھ افریقہ میں سفید فام لوگوں کا سیاہ فام لوگوں کو یکساں سیاسی حقوق دینا، دونوں کے پیچھے تشدد کا زور کام کر رہا ہے۔ اسرائیل انتفاضہ کی سرگرمیوں سے جھکا ہے اور ساؤتھ افریقہ میں جب بم پھٹنے لگے تو ان لوگوں کو جھکنا پڑا۔ تاہم میں اس سوچ سے اتفاق نہ کر سکا۔

عبد الحمید سیجی صاحب نے بتایا کہ آرنج کاونٹی میں ایشین ۵ فیصد ہیں۔ مگر یہاں کی یونیورسٹی میں ایشیائی طلبہ کی تعداد ۳۰ فیصد ہے۔ یہی حال امریکہ کی اکثر یونیورسٹیوں کا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ امریکہ کی سب سے زیادہ پرسٹیجس یونیورسٹی ہارورڈ میں وہاں کے ۲۰ ہزار طلبہ میں ایشیائی کافی ہیں۔ گیارہ سو کے اسٹاف میں ایک سو ایشیائی استاد ہیں۔ خود ان کے بھی دو لڑکے وہاں پڑھتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ وہاں انتہائی سخت ڈسپلن ہے۔ مثلاً استاد، طلبہ یا کارکن کے سوا کوئی وہاں داخل نہیں ہو سکتا۔ حتی کہ والدین بھی نہیں۔ وہاں صرف آئیڈنٹیٹی کارڈ پر کیمپس میں داخلہ ہوتا ہے۔ امریکہ کی یونیورسیٹیوں میں لائبریریاں ۲۴ گھنٹہ کھلی رہتی ہیں۔ اور طلبہ کثرت سے اس میں مطالعہ کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ لائبریری میں فاضل بات تو درکنار، کوئی شخص زور سے بول بھی نہیں سکتا۔ حال میں اسلام کے مطالعہ کے لئے ہارورڈ یونیورسٹی میں ایک اسلامک ریسرچ کا شعبہ قائم ہوا ہے، اس شعبہ کو شاہ فہد کی طرف سے پانچ ملین ڈالر کا عطیہ دیا گیا ہے۔

یہاں میرا قیام جناب صغیر اسلم صاحب (پریسیڈنٹ اسلامک سوسائٹی آف آرنج کاونٹی) کے مکان پر تھا۔ میں ان کے یہاں پہنچا تو مغرب بعد کا وقت ہو چکا تھا۔ اتفاق سے اسی وقت جناب تشبیہ سید اور ان کے ایک ساتھی آگئے۔ ان لوگوں سے دیر تک بات ہوتی رہی۔

تشبیہ سید صاحب نے بتایا کہ ایک کمیونسٹ مسلمان کو ایک بار میں نے دیکھا کہ وہ ہاتھ اٹھا کر

مسجد میں دعا کر رہا ہے۔ میں نے کہا کہ تم کو لینن اور ماؤ سے دعا کرنا چاہئے۔ مگر تم اللہ سے دعا کر رہے ہو۔ انھوں نے کہا کہ یہ تو ہماری ذہنی کنڈیشننگ کی وجہ سے ہے۔ میں نے کہا کہ انھوں نے ایک صحیح بات غلط الفاظ میں کہی۔ یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ ہر آدمی مشکل اوقات میں اللہ سے دعا کرنے لگتا ہے۔ مگر اس کا سبب سماج کی طرف سے ہونے والی کنڈیشننگ نہیں ہے۔ اس کا اصل سبب نیچر ہے۔ اور نیچر پیدائش سے آتا ہے نہ کہ کسی خارجی قسم کی کنڈیشننگ سے۔

۲۴ دسمبر کو عشاء کی نماز جناب صغیر اسلم صاحب کے مکان پر پڑھی۔ نماز کے بعد جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا تو زبان پر یہ الفاظ آگئے: خدایا، میرے سفر کو اور میرے قیام کو، میرے چلنے اور میرے ٹھہرنے کو، میرے بولنے اور میرے چپ رہنے کو میرے لئے خیر کا باعث بنا، مجھے تمام آفتوں سے اپنی پناہ میں لے لے۔

ایک تعلیم یافتہ پاکستانی سے گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ میاں نواز شریف کے مداح تھے۔ انھوں نے کہا کہ بے نظیر بھٹو کی حکومت ایٹم بم بنانا نہیں چاہتی۔ میں نے کہا کہ نواز شریف کا بیان تو یہ ہے کہ بے نظیر نے تین سال پہلے ایٹمی عمل کو رول بیک کر دیا تھا۔ پھر اس کے بعد جب نواز شریف وزیر اعظم بنے تو انھوں نے کیوں نہیں اس کو دوبارہ جاری کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ اصل یہ ہے کہ یہ امریکہ کے اشارہ پر ہوا۔

میں نے بہت سے پاکستانیوں سے بات کی۔ تقریباً ہر شخص امریکی مخالف بات کرتا ہے۔ اس کے باوجود پاکستان میں امریکہ کا عمل دخل کیوں۔ انھوں نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ پاکستان کبھی بھی امریکہ کی مخالفت کو افورڈ نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا کہ آخر کیوں۔ انھوں نے کہا: انڈیا کا خوف۔ میں نے کہا کہ یہ پاکستانی سیاست کی پہلی اینٹ ہے، اور یہ پہلی اینٹ ہی غلط ہے۔ انڈیا پاکستان کا دشمن نہیں، انڈیا پاکستان کا ایک طاقت ور پڑوسی ہے۔ اگر آپ طاقتور امریکہ سے خود اس کے ٹرم پر دوستی کر سکتے ہیں تو انڈیا سے بھی آپ ایسا کیوں نہیں کر سکتے۔

ایک عرب نوجوان سے ملاقات ہوئی۔ وہ اخوانی فکر سے متاثر تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے آپ کی کئی چیزیں پڑھی ہیں۔ العالم الاسلامی (۳۱ اکتوبر ۱۹۹۳) میں آپ کا مفصل انٹرویو بھی پڑھا ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کو بس پر امن داعی بنا دینا چاہتے ہیں اور

# INFORMATIONAL HANDOUT

## Muslim Populations

According to U.S. Census Bureau records, the total population of the world is five and a half billion people. Over twenty percent(over one billion) of these five billion are Muslims. Furthermore, Muslims live in all parts of the world, including Asia, Africa, the Middle East, Southeast Asia, Australia, Europe, and the Americas. The following chart lists the populations of Muslims in various regions of the world.

| | |
|---|---|
| India/Pakistan | 250-300 million |
| Africa | 200 million |
| Arab countries | 180 million |
| Southeast Asia | 170 million |
| Europe | 65 million |
| Iran | 50 million |
| Central Asia | 50 million |
| China | 50 million |
| Afghanistan | 15 million |
| North America | 6 million |
| South America | 3 million |
| Australia | 1 million |
| ***Worldwide*** | ***over 1 billion*** |

Sources (1993):
American Muslim Council, Washington, D.C.
Islamic Affairs Dept , Embassy of Saudi Arabia, Washington, D.C.
World Almanac

علاوہ مسلسل امریکہ میں اسلامی لٹریچر مغربی زبانوں میں پہنچ رہا ہے۔

جہاں تک مسلمانوں کا بحیثیت قوم تعلق ہے، ان کی حالت کسی بھی ملک میں اچھی نہیں۔ مگر عین اسی وقت اسلامی دعوت کا عمل ہمیشہ کی طرح جاری ہے۔ اس میں کوئی وقفہ نہیں آیا۔ یہ بھی اسلام کا ایک معجزہ ہے کہ کوئی بھی طوفان اس کے تاریخی تسلسل کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

ایک پرچہ میں دنیا بھر میں مسلمانوں کی تعداد کے بارہ میں نقشہ چھپا تھا۔ یہ یہاں علحدہ صفحہ پر نقل کیا جا رہا ہے۔

۲۴ دسمبر کو جمعہ کا دن تھا۔ جمعہ کی نماز اسلامک سوسائٹی کی مسجد میں پڑھی۔ اندر سے لیکر باہر تک پوری مسجد بھری ہوئی تھی۔ نہایت پرسکون ماحول میں نماز ہوئی۔ پہلی اذان اور دوسری اذان دونوں لاؤڈ اسپیکر کے بغیر ہوئی۔ مگر اتنے بڑے مجمع میں کسی بھی شخص نے یہ تجویز پیش نہیں کی کہ لاؤڈ اسپیکر پر اذان ہونا چاہئے تاکہ اسلام کی عظمت یہاں کی فضاؤں میں گونجے۔ اس کے برعکس ہندستان میں لاؤڈ اسپیکر اسلام کی عظمت کا نشان بن گیا ہے۔ اگر وہاں کی مسجدوں کی چھت سے لاؤڈ اسپیکر اتارنے کی بات کی جائے تو فوراً کچھ لوگ اس کو اسلامی وقار کا مسئلہ بنالیں گے۔ اور نادان لیڈروں کی رہنمائی میں بہت سے مسلمان کفن بردوش ہو کر سڑکوں پر نکل آئیں گے۔

لاؤڈ اسپیکر کی اذان امریکہ کی سوسائٹی میں غیر ضروری شور کے ہم معنی ہے۔ اب مسلمان یہ نہیں کرتے کہ جلسہ کر کے کہیں کہ یہ شور نہیں ہے، یہ اذان ہے۔ اس طرح باہر کے ملکوں میں مسلمان وہاں کے حالات سے ہم آہنگ ہو کر رہتے ہیں، چنانچہ وہاں ان کو امن بھی حاصل ہے اور ترقی کے مواقع بھی۔ ہندستان کے مسلمان یہاں کے حالات سے موافقت کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے یہاں وہ امن سے بھی محروم ہیں اور ترقی سے بھی۔

ایک صاحب نے مسجد میں تقریر کی۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ امریکہ میں ہمارا اصل مسئلہ اپنے اسلامی تشخص کی حفاظت ہے۔ اگر ہم نے اپنا اسلامی تشخص کھو دیا تو اس ملک میں مسلمان کی حیثیت سے ہمارا کوئی وجود باقی نہیں رہے گا۔

مغربی ملکوں میں ہر "اسلام پسند" مسلمان یہی لکھتا یا بولتا دکھائی دیتا ہے۔ میں نے کہا کہ اس

قسم کی باتیں محض فریاد کی حیثیت رکھتی ہیں اور فریاد سے کبھی کسی قوم کا مستقبل تعمیر ہونے والا نہیں۔ یہاں کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہاں کا مسلم نوجوان دو چیزوں کے درمیان ہے۔ ایک طرف جدید تہذیب کی رونقیں ہیں۔ دوسری طرف آپ اسلامی تشخص یا ملی تشخص کے نام پر جو چیز ان کو دے رہے ہیں اس میں انھیں اسلام بظاہر کمتر دکھائی دیتا ہے اور جدید تہذیب برتر نظر آتی ہے۔ اور یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے کہ وہ جس چیز کو بہتر سمجھے اس کو چھوڑ کر کم تر کو اختیار کرے۔

میں نے کہا کہ اس کا حل یہ ہے کہ آپ جدید تہذیب کے مقابلہ میں اسلام کی برتر آئیڈیالوجی کو پیش کریں نہ کہ اس چیز کو جس کو اسلامی تشخص کہا جاتا ہے۔ اسلامی آئیڈیالوجی بلاشبہ تمام چیزوں سے اعلیٰ ہے۔ جو آدمی اسلامی آئیڈیالوجی کو اعلیٰ فکری سطح پر پالے اس کو بقیہ تمام چیزیں اتنی حقیر معلوم ہوں گی کہ وہ خود ہی ان کو چھوڑ کر اسلام کو اپنی عزیز ترین متاع بنالےگا۔

ایک صاحب نے تعجب کے ساتھ کہا کہ ہندستان میں ہریجن ترقی کر رہے ہیں اور مسلمان پیچھے جا رہے ہیں۔ اس میں ہندستانی حکومت کی کوئی بہت گہری سازش نظر آتی ہے۔ میں نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا ہے۔ مگر وہ کسی سازش کی بنا پر نہیں ہو رہا ہے بلکہ خود قانون قدرت کے تحت ہو رہا ہے۔

ہریجنوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اپنی پوری تاریخ میں ترقی سے محروم رہے ہیں۔ جس قوم نے ترقی نہ کی ہو وہ ہزاروں سال تک بھی زندہ رہتی ہے، اس پر موت طاری نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی قوم مسلسل دباؤ میں رہتی ہے۔ یہ دباؤ اس کی زندگی کا ضامن بن جاتا ہے۔

زندہ سے مردہ بن جانے کا واقعہ ہمیشہ اس قوم کے ساتھ ہوتا ہے جو ترقی اور عروج کا درجہ حاصل کر لے۔ ایسی قوم میں وہ صورت پیش آتی ہے جو مسلمانوں میں پیش آئی۔ ان میں ایسے شعرا اور خطبا اور دانشور پیدا ہوتے ہیں جو قوم کی گزری ہوئی عظمت کے ترانے گاتے ہیں۔ بطور خود وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ قوم کو جگا رہے ہیں۔ حالاں کہ باعتبار نتیجہ وہ ان کی عملی قوت کو سرد کر رہے ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ اس سے پدرم سلطان بود (paranoic character) کا مزاج پیدا ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اپنا تشخص ماضی کے اعتبار سے قائم کرتے ہیں۔ جب کہ ان کے معاصر لوگ ان کے ساتھ ان کے آج کے اعتبار سے معاملہ کرتے ہیں۔ یہی فرق مذکورہ نفسیات

کو جنم دیتا ہے۔

۶ دسمبر ۱۹۹۲ کے سانحہ کے بعد بمبئی میں جو فرقہ وارانہ فسادات ہوئے، اس کی رپورٹ امریکی اخبارات میں بھی شائع ہوئی تھی۔ ایک امریکی صحافی اینڈریو وارڈ (Andrew Ward) نے بمبئی جاکر وہاں کے حالات کا مشاہدہ کیا۔ اس کی رپورٹ واشنگٹن پوسٹ ۱۶ مارچ ۱۹۹۳ میں چھپی۔ اس رپورٹ کا خلاصہ میں نے یہاں کے مسلم میگزین (The Orange Crescent) کے شمارہ دسمبر ۱۹۹۳ میں دیکھا۔

اینڈریو وارڈ نے اپنا ایک احساس اس طرح لکھا ہے کہ جب میں نے بمبئی کے ہندوؤں سے پوچھا کہ وہ متعین طور پر بتائیں کہ مسلم پڑوسیوں کے ہاتھوں سے انھیں کیا تکلیف پہنچی ہے تو انھوں نے ہمیشہ قومی واقعات بیان کئے۔ انھوں نے پڑوس کے اچھے مسلم خاندان سے اپنے ذاتی تجربات کو نظر انداز کرتے ہوئے ناقابل لحاظ مستثنیات کو عموم کی حیثیت دے دی:

When I asked Hindus how, specifically they had suffered at the hands of their Muslim neighbours, they reverted to nation alist abstractions and reduced their own experiences with the nice Muslim family next door to insignificant exceptions to the general rule.

اس معاملہ میں ٹھیک یہی حال مسلمانوں کا بھی ہے۔ ہر مسلمان اپنے قریبی ہندو سے اچھے سلوک کا تجربہ کر رہا ہے۔ مگر جب قومی سطح پر رائے قائم کرنا ہو تو وہ بعض مستثنیٰ واقعات (مثلاً اجودھیا) کو لے کر پوری ہندو قوم کے بارہ میں منفی احساسات کا شکار ہو جاتا ہے۔ طرز فکر کی اسی غلطی نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان باہمی تعلقات کو غیر ضروری طور پر تلخ بنا دیا ہے۔

شکاگو کے ایک مسلم ادارہ کی طرف سے بڑے سائز پر چھپا ہوا ایک آرٹیکل نظر سے گذرا۔ اس کا عنوان تھا ـــــ اسلام کو عقلی انداز میں کس طرح پیش کیا جائے:

How to present Islam : A rational approach

اس آرٹیکل میں اسلام کی مختلف تعلیمات کا مختصر تعارف تھا۔ مگر اس کو پڑھ کر مجھے محسوس ہوا کہ وہ بس عام روایتی انداز میں ہے۔ اس کا انداز مجھے ریشنل کے بجائے ٹریڈیشنل نظر آیا، صرف اس فرق کے ساتھ کہ وہ انگریزی میں تھا۔

صبر کے بارہ میں اس میں بتایا گیا تھا کہ مسلمان کی زندگی مستقل جہاد کی زندگی ہے۔ اس جہاد میں مسلمان کو مخالفین کی طرف سے مختلف قسم کی مصیبتیں پیش آتی ہیں۔ ان مصیبتوں کو سہتے ہوئے جہاد جاری رکھنے کا نام صبر ہے (صفحہ ۱۹) پھر جہاد کے تعارف میں بتایا گیا تھا کہ جہاد اس کوشش کا نام ہے کہ خدا کے مکمل قانون کو زمین پر نافذ کیا جائے:

This is hardest of the struggles (jihad), that is,to implement the rule of God on earth.

اصل حقیقت یہ ہے کہ صبر ایک عبادت ہے۔ موجودہ دنیا آدمی کے لئے آزمائش گاہ ہے۔ اس آزمائش میں اترنے کے لئے مستقل صبر کی ضرورت ہے۔ مومن کا اصل مقصد زمین پر نفاذ قانون نہیں ہے بلکہ اپنی ذات کو خدا کی مرضی کے مطابق ڈھالنا ہے۔ اس صابرانہ زندگی میں کبھی مخالفین سے مقابلہ بھی پیش آسکتا ہے۔ اس وقت بشرط استطاعت، مخالفین کے مقابلہ میں جمنے کا نام صبر ہوگا۔

میں نے ایک ہندستانی بزرگ کا عربی مقالہ پڑھا۔ اس کا عنوان تھا: الاُمّةُ الاسلامیةُ مُعَرّضَةٌ لِلخطر (امت اسلامیہ خطرات کی زد میں) اسی طرح ایک اردو ہفت روزہ میں ایک اور عالم کا مضمون تھا۔ اس کا عنوان تھا "امت اسلامیہ عالمی سازش کے نرغہ میں" ان مقالات میں بتایا گیا تھا کہ مسلم ملت اس وقت ساری دنیا میں خطرات و مسائل میں گھری ہوئی ہے۔ ہر جگہ اس کے وجود کو چیلنج کیا جا رہا ہے۔ تمام قومیں اس کے خلاف سازش کا جال بچھانے میں مصروف ہیں۔ وغیرہ۔

یہ بات میں نے ہندستان میں پڑھی تھی۔ امریکہ کے مسلمانوں سے ملاقات اور گفتگو میں میں نے پایا کہ ان کا ذہن بھی ٹھیک یہی ہے۔ ایک صاحب جو امریکہ میں عزت اور خوشحالی کی زندگی گزار رہے ہیں انھوں نے جب یہی بات دہرائی تو میں نے کہا کہ آپ اس "دشمن ملک" میں اتنی اچھی زندگی گزار رہے ہیں، پھر آپ اپنی سوچ کو خود اپنے آپ سے کیوں نہیں شروع کرتے۔ آپ اخباری خبروں کی بنیاد پر کیوں ملت مسلمہ کے بارہ میں تبصرہ کر رہے ہیں۔

آجکل کے تعلیم یافتہ مسلمان مغربی پریس پر منفی خبر رسانی (disinformation) کا الزام دیتے

ہیں۔ مگر یہ الزام خود مسلم پریس پر اس سے زیادہ بڑے پیمانے پر چسپاں ہوتا ہے۔ مسلم پریس اچھی خبروں کو نمایاں نہیں کرتا۔ وہ صرف ان خبروں کو مبالغہ آمیز انداز میں چھاپتا ہے جو منفی نوعیت کی ہیں۔ مسلم پریس کی اس منفی رپورٹنگ نے ساری دنیا میں مسلمانوں کے ذہن کو اس طرح بگاڑا ہے کہ وہ مثبت طرز فکر سے محروم ہو کر رہ گئے ہیں۔

اسلامی تاریخ کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ ایک بار کسی علاقہ میں پیش قدمی کر رہے تھے۔ اس دوران انھیں ایک قلعہ کا محاصرہ کرنا پڑا۔ مگر انھوں نے پایا کہ محاصرہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو رہا ہے۔ لمبی مدت تک قلعہ کا محاصرہ کرنے کے باوجود قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

محاصرہ کی مدت جب غیر معمولی طور پر طویل ہو گئی تو ایک روز وہ لوگ مشورہ کے لئے بیٹھے۔ مشورہ میں جو بات خاص طور پر سامنے آئی وہ یہ تھی کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں سے کوئی تعلیم ہم سے چھوٹ گئی ہے۔ اسی لئے قلعہ کی فتح میں ہم کامیاب نہیں ہو رہے ہیں۔ چنانچہ تمام لوگ بیٹھ کر یہ سوچنے لگے کہ وہ کون سی اسلامی تعلیم ہے جو ہم سے چھوٹی ہے تاکہ اس پر فوراً عمل شروع کر دیا جائے۔

ایک تعلیم یافتہ مسلمان سے گفتگو کرتے ہوئے میں نے کہا کہ آج اگر مسلم دنیا کے نمائندہ افراد ایک مقام پر جمع ہوں اور اس اسوۂ صحابہ کی روشنی میں یہ سوچیں کہ ہم سے کون سی سنت نبوی چھوٹ گئی ہے جس کی وجہ سے ہم پر موجودہ مصیبتیں آرہی ہیں، تو مجھے یقین ہے کہ وہ اس رائے پر پہنچیں گے کہ ہم سے سنت دعوت چھوٹ گئی ہے۔ اس لئے کہ آج ہر سنت مسلمانوں میں دکھائی دیتی ہے مگر واحد سنت جس پر آج عمل مفقود ہے وہ سنت دعوت ہے۔

سیرت کانفرنس کا آغاز بوئنا ہوٹل (Buena Park Hotel) میں ۲۵ دسمبر ۱۹۹۳ کو ہوا۔ وسیع ہال مکمل طور پر بھرا ہوا تھا۔ ہال میں ڈیڑھ ہزار کے لئے کرسیاں تھیں۔ کھڑے ہوئے لوگوں کو ملا کر تقریباً سترہ سو آدمی موجود تھے۔ مختلف ملکوں سے آئے ہوئے لوگوں نے تقریریں کیں۔ مقررین کے نام یہ ہیں:

مسٹر صغیر اسلم صدر اسلامک سوسائٹی، ڈاکٹر مزمل حسین صدیقی، ڈاکٹر جعفر عبد السلام

ڈاکٹر سید سلمان ندوی، ڈاکٹر حسن حتحوت، ڈاکٹر جعفر شیخ ادریس، ڈاکٹر سلیمان نیانگ، ڈاکٹر عبد اللہ غازی، ڈاکٹر اسلم عبد اللہ، ڈاکٹر فضل مرزا، ڈاکٹر احمد صقر، ڈاکٹر مدثر حسین صدیقی، ڈاکٹر یحییٰ عبد الرحمان، ڈاکٹر احسان باغبی، ڈاکٹر نثار حمیٰ، ڈاکٹر نذیر خواجہ، ڈاکٹر حسن الدین ہاشمی، ڈاکٹر احمد النجار، ڈاکٹر محمد یونس، ڈاکٹر غلام نبی فائی، وغیرہ۔

میرے ساتھ عجیب قصہ ہوا۔ میں دہلی سے چلا تو میرے ذہن میں یہ تھا کہ کانفرنس میں زیادہ تر اردو داں لوگ ہوں گے اور میں زبانی تقریر کی صورت میں وہاں اپنے خیالات کا اظہار کر دوں گا۔ مگر یہاں آکر معلوم ہوا کہ اس میں سارا انگریزی کا ماحول ہوگا اور انگریزی ہی میں تمام تقریریں ہوں گی۔ میرے پاس وقت بہت کم تھا۔ ۲۳ دسمبر کی شام کو میں صغیر اسلم صاحب کے مکان میں اپنے کمرہ میں سو گیا۔ پہلی نیند کے بعد آنکھ کھلی تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور کل کے لئے انگریزی میں پیپر لکھنا شروع کر دیا۔ فجر کے وقت تک پانچ صفحہ کا ایک مضمون تیار ہو گیا۔ اس میں سیرت کی روشنی میں زندگی کی کامیابی کے دس اصول بتائے گئے تھے۔

اب سوال ٹائپ کرانے کا تھا۔ صغیر اسلم صاحب نے اس کو اسلامک سوسائٹی کے ٹائپسٹ کو دیا۔ مگر وہ شروع کرنے کے بعد اس کو پورا نہ کر سکے۔ کیوں کہ آج ان کو غیر معمولی مصروفیت تھی۔ اس کے بعد اس کو ڈاکٹر مزمل حسین صدیقی نے لے لیا۔ وہ اس کو اپنے گھر لے گئے، وہاں ان کے صاحبزادہ نے اس کو کمپیوٹر پر ٹائپ کیا۔ پھر انھوں نے فیکس کے ذریعہ اس کو میری قیام گاہ پر بھیج دیا۔ یہ سب کام جمعہ کی رات تک ہو گیا۔ اگلے دن اجلاس میں میں نے اس کو پڑھا۔

لوگوں نے اس کو پسند کیا۔ بہت سے لوگوں نے اس کی کاپی طلب کی۔ ایک صاحب نے کہا کہ اس کو فریم کر کے ہر جگہ لٹکا دینا چاہئے۔ ڈاکٹر یحییٰ رحمان نے کہا:

It is because of people like you, that Islam keeps growing.

یہ مقالہ انشاء اللہ الرسالہ انگریزی میں شائع کر دیا جائے گا۔

اس کانفرنس میں امریکہ کے مختلف حصوں سے ڈیڑھ ہزار مسلمان شریک ہوئے۔ یہ سب تعلیم یافتہ لوگ تھے۔ ان میں بہت سے الرسالہ پڑھنے والے بھی ملے۔ میں نے پایا کہ جو لوگ الرسالہ برابر پڑھتے ہیں انھیں کے اندر مثبت طرز فکر ہے۔ دوسرے لوگ عام طور پر منفی طرز فکر میں

مبتلا نظر آئے۔

قرآن وحدیث کا مطالعہ خالی الذہن ہو کر کیا جائے تو ان میں مثبت تفکیر کا پیغام ملے گا۔ مثلاً آپ قرآن کھولیں تو پہلی آیت شکر کی آیت ملے گی (الحمد للہ رب العالمین) گویا کہ قرآن وہ ذہن بنانا چاہتا ہے جو احساس یافت سے سرشار ہو۔ مگر آج مسلمانوں کا ذہن احساس محرومی سے بھرا ہوا ہے۔ اسی طرح آپ صحیح بخاری کھولیں تو شروع ہی میں آپ کو یہ حدیث پڑھنے کو ملے گی کہ انما الاعمال بالنیات۔ گویا پیغمبر اسلام مسلمانوں میں وہ ذہن پیدا کرنا چاہتے ہیں جو اندرونی حقیقتوں کو اہمیت دے، ظاہری باتوں کو وہ نظر انداز کر دے۔ مگر آج مسلمانوں کی پوری سوچ ظواہر پر اٹکی ہوئی ہے۔ حقائق کی انھیں سرے سے خبر ہی نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کے فہم اسلامی کا ماخذ حقیقۃً قرآن وحدیث نہیں ہے۔ اس کا ماخذ ان مفکرین کی کتابیں ہیں جو ردعمل کی نفسیات میں مبتلا تھے۔ اسی نفسیات کے تحت انھوں نے اسلام کی تعبیر پیش کی۔ اس تعبیری لٹریچر نے مسلمانوں کے اندر قرآن وسنت والا ذہن نہیں بنایا بلکہ ردعمل کا ذہن بنا دیا۔ یہی منفی ذہن ہے جس کا مظاہرہ آج ہر طرف نظر آتا ہے۔ اسی ذہن کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ہر جگہ یا تو لفظی ٹکراؤ جاری ہے یا شمشیری ٹکراؤ۔

ایک سیاہ فام نومسلم نے تقریر کرتے ہوئے جو باتیں کہیں ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی انٹلکچول نہیں تھے:

Prophet Muhammad was not an intellectual.

اس پر بڑا ہنگامہ ہوا۔ میرا خیال ہے کہ مذکورہ نومسلم کی نیت بخیر تھی۔ وہ جو بات کہنا چاہتا تھا اس کے لئے اس نے غلط لفظ کا استعمال کیا۔ غالباً وہ کہنا چاہتا تھا کہ پیغمبر اسلام آجکل کے رسمی تعلیمی تصور کے مطابق کوئی ڈگری یافتہ آدمی نہیں تھے۔ اسی بنا پر آپ کو اُمّی کہا گیا ہے۔ مگر انٹلکچول ہونا اس سے الگ چیز ہے، اور اس اعتبار سے بلاشبہ آپ ایک سپر انٹلکچول انسان تھے۔

۲۵ دسمبر کی شام کو نماز مغرب کے بعد اعزازی دعوت (banquet) کا انتظام تھا۔ اس میں پرنس محمد فیصل السعود بھی شریک ہوئے۔ وہ امریکہ کی سعودی ایمبیسی میں ڈپارٹمنٹ آف

اسلامک افیرس کے چیرمین ہیں۔ چند خاص افراد ان کے ساتھ کھانے میں بٹھائے گئے تھے۔ مجھ کو بھی بلاکر اس میں شریک کیا گیا تھا۔ میں خاموشی سے آکر بیٹھ گیا۔ انھوں نے ابتداءً مجھ کو پہچانا نہیں۔ وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ گفت گو میں مشغول رہے۔ اس درمیان ایک عرب ڈاکٹر عبد القادر النجار آگئے۔ انھوں نے میرے بارہ میں بتایا کہ یہ فلاں شخص ہیں اور ان کی بہت سی کتابیں ہیں۔ پرنس فیصل اس سے پہلے رزرویشن کے ساتھ بات کر رہے تھے۔ مگر میرے بارہ میں جانتے ہی وہ بہت خوش ہوئے اور کھل کر باتیں کرنے لگے۔ انھوں نے بتایا کہ میں نے آپ کی کتاب الاسلام یتحدی اس وقت پڑھی جب کہ میری عمر ۱۶ سال تھی۔ ہم لوگ اس کے بارہ میں مذاکرے کیا کرتے تھے۔ شیخ نجار نے میرے بارہ میں بتایا کہ انھوں نے انگریزی میں انسائیکلوپیڈیا آف قرآن تیار کی ہے اور اب اس کو چھپوا رہے ہیں۔ پرنس نے بہت دلچسپی ظاہر کی اور کہا کہ چھپتے ہی ان کے نام ایک نسخہ روانہ کیا جائے۔

ان کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی وہاں بھی انھوں نے اپنی انگریزی تقریر میں سب سے پہلے یہی بات کہی کہ مجھے آکر جب معلوم ہوا کہ یہاں شیخ وحید الدین موجود ہیں تو مجھے تعجب انگیز خوشی (pleasant surprise) ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ مسلم نوجوانوں کو یہ کتاب خاص طور پر پڑھنا چاہئے جو عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں موجود ہے۔ وغیرہ۔

جلسہ کے خاتمہ پر جب پرنس محمد فیصل السعود باہر نکلے تو گیٹ پر تین مسلم نوجوان انگریزی میں ان کے خلاف زور زور سے بولنے لگے۔ منتظمین جلسہ کے بارہ میں انھوں نے کہا کہ آپ لوگ ان کو ہزاکسی لنسی کہکر خطاب کرتے ہیں، حالاں کہ سعودی تو ایسے اور ایسے ہوتے ہیں۔ پرنس تو فوراً چلے گئے۔ مگر نوجوان بدستور زور زور سے چلاتے رہے۔

میں وہاں کھڑا ہو کر اس منظر کو خاموش دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں ہوٹل کے جنرل مینجر مسٹر جاوید نواز آگئے۔ اگرچہ لڑکے نہایت اشتعال انگیز انداز اختیار کئے ہوئے تھے۔ مگر مسٹر جاوید نواز ذرا بھی مشتعل نہیں ہوئے۔ انتہائی ٹھنڈے انداز میں انھوں نے کہا کہ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ پرائیویٹ پراپرٹی ہے۔ آپ کو میں پانچ سکنڈ دیتا ہوں۔ آپ پانچ سکنڈ میں یہاں سے چلے جائیے۔ ورنہ میں آپ کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ یہ سنتے ہی ان نوجوانوں کا حال ایسا ہو گیا

یے غبارہ کی ہوا نکل جائے۔ وہ خاموش ہو کر تیزی سے باہر چلے گئے ـــــ میں نے سوچا کہ جھوٹی بہادری ہمیشہ جھوٹی بزدلی پر ختم ہوتی ہے۔

امریکہ میں مسلم نوجوانوں کی ایک انتہا پسند جماعت ہے۔ غالباً یہ لوگ اسی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لوگ ان مسلمانوں کو گمراہ سمجھتے ہیں جو "خلافت" کے لئے کوشش نہ کر رہے ہوں۔ وہ امریکہ میں اسلامی خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کیلی فورنیا در اصل خلیفورنیا ہے اور سب سے پہلے اسلامی خلافت یہیں قائم ہوگی۔

اس طرح کی کانفرنسوں میں عام طور پر اہل علم جمع ہوتے ہیں۔ اس لئے ان میں اسٹیج کی تقریریں ہی سب کچھ نہیں ہوتیں۔ یہاں کھانے کی میز پر یا دوسرے مواقع پر جو ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں، ان میں بھی اکثر علمی باتیں جاری رہتی ہیں۔

ایک بار کھانے کی میز پر طرز تحریر کے بارہ میں باتیں ہونے لگیں۔ مختلف لوگوں نے مختلف باتیں سنائیں۔ ڈاکٹر مزمل حسین صدیقی نے بتایا کہ ٹامس جیفرسن کی عادت تھی کہ وہ مختصر خط لکھا کرتا تھا۔ کسی نے اس سے کہا کہ آپ ہمیشہ مختصر خط لکھتے ہیں۔ ٹامس جیفرسن نے جواب دیا کہ اگر میرے پاس زیادہ وقت ہوتا تو میں اور بھی مختصر خط لکھتا:

If I had more time, I would have written even shorter letters.

نیویارک کے انگریزی سہ روزہ (The Minaret) کے اڈیٹر مسٹر محمد عبد المنعم نے ۲۶ ستمبر کی شام کو انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر ہندستانی مسلمانوں کے حالات سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں میں نے کہا کہ بہت سے لوگ انڈیا کا ذکر اس طرح کرتے ہیں جیسے وہ کوئی استثنائی ملک ہو اور وہاں مسلمانوں کے لئے ظلم ہی ظلم ہو۔ میں اس قسم کے نظریہ کو بالکل بے بنیاد سمجھتا ہوں۔ انڈیا میں بھی مسلمانوں کے لئے ترقی کے وسیع مواقع ہیں جو دوسرے ملکوں میں ان کے لئے ہیں۔ ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ پچھلے سو سال میں بدقسمتی سے انڈیا میں ایسے مسلم لیڈر اٹھے جو مسلمانوں کو زندگی کی شاہراہ سے بھٹکاتے رہے۔ انھوں نے مسلمانوں کے ذہن کو مسائل میں الجھائے رکھا۔ جب کہ صحیح رہنمائی یہ ہے کہ لوگوں کو مواقع کو استعمال کرنے کی طرف متوجہ کیا جائے۔

۱ اسپین کی راجدھانی میڈرڈ میں ۲۸ — ۳۰ نومبر ۱۹۹۴ کو ایک انٹرنیشنل کانفرنس ہوئی جس میں عیسائیت، یہودیت اور اسلام کے نمائندے شریک ہوئے۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ اور وہاں اسلامی نقطۂ نظر پیش کیا۔ اس کی روداد ان شاء اللہ سفرنامہ کے ذیل میں الرسالہ میں شائع کر دی جائے گی۔

۲ بڑودہ (گجرات) میں ۱۳ نومبر ۱۹۹۴ کو ایک نیشنل سمینار ہوا۔ اس میں پورے ملک سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ شریک ہوئے۔ اس کا موضوع تھا: ریلیجن اینڈ سوسائٹی۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور اس موضوع پر اسلامی نقطۂ نظر سے خطاب کیا۔ اس کی روداد ان شاء اللہ سفرنامہ کے تحت شائع کر دی جائے گی۔

۳ سودیسی بھنڈار سنیٹر (نانگلوئی) کی طرف سے ۲۰ نومبر ۱۹۹۴ کو ایک جلسہ ہوا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور وہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کے ایک مشترک مجمع سے خطاب کیا۔ خطاب کا موضوع تھا — نیچرل وے آف لائف۔

۴ ۱۹ - ۲۰ نومبر ۱۹۹۴ کو نہرو میوزیم (نئی دہلی) میں ایک سمینار ہوا۔ سمینار کا موضوع تعلیمی سدھار تھا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ ۱۹ نومبر کی صبح کو افتتاحی اجلاس میں ایک تقریر کی۔ دوسری تقریر ۲۰ نومبر کی شام کو ہوئی۔

۵ رائٹر نیوز ایجنسی کے نمائندہ مقیم بمبئی مسٹر جارج فرنانڈیس نے ۲ دسمبر ۱۹۹۴ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو ٹیلیفون پر لیا گیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اس سے تھا کہ دو سال پورا ہونے کے بعد اب مسلم عوام کے جذبات اجودھیا کی بابری مسجد کے بارہ میں کیا ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ اب ہندو عوام اور مسلم دونوں کو امن سے دلچسپی ہے۔ دونوں ہی جھگڑے والی باتوں سے دور ہو چکے ہیں۔

۶ خدا کے فضل سے پریس کے تعاون کے تحت مسلسل اردو، انگریزی، ہندی، تامل، گجراتی اور دوسری زبانوں میں اسلامی تعارف کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلہ میں دہلی کے انگریزی روزنامہ ہندستان ٹائمس میں شائع شدہ مضمون (اسلام ان انڈیا) کا ایک

پیراگراف بطور نمونہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ صدر اسلامی مرکز کا یہ مضمون ہندستان ٹائمس کے شمارہ ۱۲ دسمبر ۱۹۹۴ میں چھپا ہے:

Islam is a natural faith, free of all adulterations. By sheer virtue of its own strength, it can make inroads into the hearts of the people. The only barrier to its natural acceptance by others is the atmosphere of belligerence. If the message of Islam is to be successfully communicated, Muslims themselves must prevent any unfavourable atmosphere from coming in its way. If Muslims can achieve only this, Islam will begin again to command respect of others and enter the hearts of people on its own. There will be no further need to make any direct efforts towards this end.

۷ حوض رانی (دہلی) میں ۱۰ دسمبر ۱۹۹۴ کو بھائی چارہ دیوس کے تحت ایک جلسہ ہوا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور موضوع پر اسلامی نقطۂ نظر پیش کیا۔ لوگوں نے اس کو پسند کیا۔ منتظمین نے کہا کہ ہم ان خیالات کو زیادہ سے زیادہ میڈیا میں پھیلائیں گے۔ اس جلسہ کا انتظام سد بھاونا مشن نے کیا تھا۔

اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن (نئی دہلی) کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے ۱۲ دسمبر ۱۹۹۴ کو ان کے اجتماع میں شرکت کی اور "ہندستانی مسلمانوں کی تاریخی تصویر" کے موضوع پر مفصل تقریر کی۔ تقریر کے بعد آدھ گھنٹہ تک سوال وجواب ہوا۔

۹ ہندی اخبار ہندستان کی سینئر رپورٹر منیشا پوری بھردواج نے ۱۲ دسمبر ۱۹۹۴ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو ماہنامہ کادمبنی کے لئے تھا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اس سے تھا کہ سیاست اور مذہب ایک ہیں یا الگ الگ ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ سیاست سے مذہب کو جوڑنے کا کام پر امن جدوجہد کے ذریعہ ہو سکتا ہے نہ کہ زور زبردستی سے۔ زور زبردستی سے جو چیز لائی جائے گی وہ مذہب نہیں ہوگا بلکہ صرف تباہی ہوگی۔

۱ سودیسی جاگرن منچ کی طرف سے ۱۵ دسمبر ۱۹۹۴ کو سپرو ہاؤس میں ایک جلسہ ہوا۔ اس کا موضوع یہ تھا کہ ہندستان کے لئے ملٹی نیشنل کمپنیوں کا آنا مفید ہے یا مضر۔ صدر اسلامی مرکز نے اس کی دعوت پر اس میں شرکت کی اور موضوع پر اظہار خیال کیا۔

۱۱ نیو انڈیا موومنٹ کی طرف سے ۱۸ دسمبر ۱۹۹۴ کو دہلی یونیورسٹی (گاندھی بھون) میں ایک سیمنار ہوا۔ اس کا موضوع بحث تھا: نیشنل آلٹرنیٹو۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

۱۲ ڈاکٹر شیام پرساد مکرجی (دہلی) میں ۱۸ دسمبر ۱۹۹۴ کو اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد کی طرف سے ایک جلسہ ہوا۔ اس کا موضوع موجودہ ایجوکیشنل سسٹم تھا۔ صدر اسلامی مرکز کو اس میں چیف گیسٹ کی حیثیت سے شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ انھوں نے اس جلسہ میں شرکت کی اور موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

۱۳ سنٹر فار پیس اسٹڈیز (نئی دہلی) کی طرف سے ۲۷ دسمبر ۱۹۹۴ کو انڈیا انٹرنیشنل سنٹر میں ایک سیمنار ہوا۔ اس کا موضوع تھا: انڈیا اینڈ دی اسلامک ورلڈ۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور اختتامی خطاب کیا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں موضوع زیر بحث کی وضاحت کی گئی۔

۱۴ یکم جنوری ۱۹۹۵ کو ہیلی روڈ (نئی دہلی) پر تعلیم یافتہ افراد کی ایک میٹنگ ہوئی۔ اس کا موضوع "نیشن بلڈنگ" تھا۔ صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور اپنے خیالات پیش کئے۔ تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ آزادی کی تحریک نے انڈیا کو سیاسی قیادت دی۔ مگر اس تحریک سے کوئی فکری قیادت ابھر نہ سکی۔ یہی ہمارے ملک کا سب سے بڑا خلا ہے۔ ضرورت ہے کہ ملک میں ایک نئی تحریک اٹھے جو صحیح فکری قیادت پیدا کرے۔

۱۵ سابق صدر گیانی ذیل سنگھ کی وفات پر ۲۷ دسمبر ۱۹۹۴ کو انڈیا انٹرنیشنل سنٹر (نئی دہلی) میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ اپنی مختصر تقریر میں انھوں نے بتایا کہ گیانی ذیل سنگھ کی زندگی میں ایک بہت بڑا سبق ہے۔ وہ ۱۹۱۶ میں ایک بڑھئی کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کی باقاعدہ تعلیم بھی نہ ہو سکی۔ مگر وہ پنجاب کے منسٹر اور پھر چیف منسٹر ہوئے۔ اس کے بعد وہ پریسیڈنٹ آف انڈیا کے عہدہ پر پہنچے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آدمی محنت کے ذریعہ ہر قسم کی ترقی اور کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

# عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر مولانا وحیدالدین خاں کے قلم سے

## اُردو

| | |
|---|---|
| تذکیر القرآن جلد اول | 200/- |
| تذکیر القرآن جلد دوم | 200/- |
| اللہ اکبر | 45/- |
| پیغمبر انقلاب | 40/- |
| مذہب اور جدید چیلنج | 45/- |
| عظمتِ قرآن | 30/- |
| عظمتِ اسلام | 50/- |
| عظمتِ صحابہ | 7/- |
| دینِ کامل | 50/- |
| الاسلام | 40/- |
| ظہورِ اسلام | 40/- |
| اسلامی زندگی | 25/- |
| احیاءِ اسلام | 20/- |
| رازِ حیات | 50/- |
| صراطِ مستقیم | 40/- |
| خاتونِ اسلام | 50/- |
| سوشلزم اور اسلام | 40/- |
| اسلام اور عصر حاضر | 30/- |
| الربانیہ | 40/- |
| کاروان ملت | 45/- |
| حقیقتِ حج | 30/- |
| اسلامی تعلیمات | 25/- |
| اسلام دور جدید کا خالق | 25/- |
| حدیثِ رسولؐ | 25/- |
| سفرنامہ (غیر ملکی اسفار) | 85/- |
| سفرنامہ (ملکی اسفار) | - |
| میوات کا سفر | 35/- |
| قیادت نامہ | 20/- |
| راہِ عمل | 25/- |
| تعبیر کی غلطی | 60/- |
| دین کی سیاسی تعبیر | 20/- |

| | |
|---|---|
| مطالعۂ سیرت | 8/- |
| ڈائری جلد اول | - |
| کتاب زندگی | 40/- |
| انوار حکمت | - |
| اقوالِ حکمت | 20/- |
| تعمیر کی طرف | 8/- |
| تبلیغی تحریک | 20/- |
| تجدیدِ دین | 20/- |
| عقلیات اسلام | 30/- |
| مذہب اور سائنس | - |
| قرآن کا مطلوب انسان | 8/- |
| دین کیا ہے | 8/- |
| اسلام دین فطرت | 7/- |
| تعمیر ملت | 6/- |
| تاریخ کا سبق | 7/- |
| فسادات کا مسئلہ | 5/- |
| انسان اپنے آپ کو پہچان | 5/- |
| تعارفِ اسلام | 5/- |
| اسلام پندرھویں صدی میں | 5/- |
| راہیں بند نہیں | 7/- |
| ایمانی طاقت | 7/- |
| اتحادِ ملت | 7/- |
| سبق آموز واقعات | 7/- |
| زلزلۂ قیامت | 10/- |
| حقیقت کی تلاش | 7/- |
| پیغمبر اسلام | 5/- |
| آخری سفر | 7/- |
| اسلامی دعوت | 7/- |
| خدا اور انسان | 7/- |
| حل یہاں ہے | 10/- |
| سچا راستہ | 5/- |
| دینی تعلیم | 7/- |

| | |
|---|---|
| حیات طیبہ | 7/- |
| باغِ جنت | 7/- |
| نارِ جہنم | 7/- |
| خلیج ڈائری | 10/- |
| رہنمائے حیات | 7/- |
| مضامین اسلام | 30/- |
| تعددِ ازواج | 3/- |
| ہندستانی مسلمان | 40/- |
| روشن مستقبل | 7/- |
| صومِ رمضان | 7/- |
| علمِ کلام | 9/- |
| اسلام کا تعارف | 4/- |
| علماء اور دور جدید | 8/- |
| سیرتِ رسولؐ | |
| ہندستان آزادی کے بعد | 3/- |
| مارکسزم تاریخ جس کو رد کرچکی ہے | 8/- |
| سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ | 7/- |
| الاسلام یتحدی | 85/- |

## ہندی

| | |
|---|---|
| سچائی کی تلاش | 8/- |
| انسان اپنے آپ کو پہچان | 4/- |
| پیغمبر اسلام | 4/- |
| سچائی کی کھوج | - |
| آخری سفر | 8/- |
| اسلام کا پریچے | 8/- |
| پیغمبر اسلام کے جہان ساتھی | 8/- |
| راستے بند نہیں | 7/- |
| جنت کا باغ | 8/- |
| بہو پتنی واد اور اسلام | 3/- |
| اتہاس کا سبق | 9/- |
| اسلام ایک سوابھاوک مذہب | |

| | |
|---|---|
| God Arises | 85/- |
| Muhammad | 85/- |
| The Prophet of Revolution | |
| Islam As It Is | 40/- |
| God-Oriented Life | 60/- |
| Religion and Science | 40/- |
| Indian Muslims | 65/- |
| The Way to Find God | 12/- |
| The Teachings of Islam | 15/- |
| The Good Life | 12/- |
| The Garden of Paradise | 15/- |
| The Fire of Hell | 15/- |
| Man Know Thyself! | 4/- |
| Muhammad | 5/- |
| The Ideal Character | |
| Tabligh Movement | 20/- |
| Polygamy and Islam | 3/- |
| Words of the Prophet | – |
| Islam the Voice of Human Nature | -- |
| Islam the Creator of Modern Age | -- |

## آڈیو کیسٹ

| | |
|---|---|
| حقیقتِ ایمان | 25/- |
| حقیقتِ نماز | 25/- |
| حقیقتِ روزہ | 25/- |
| حقیقتِ زکوٰۃ | 25/- |
| حقیقتِ حج | 25/- |
| سنتِ رسولؐ | 25/- |
| میدانِ عمل | 25/- |
| پیغمبرانہ رہنمائی | 25/- |
| اسلامی دعوت کے جدید امکانات | 25/- |
| اسلامی اخلاق | 25/- |
| اتحادِ ملت | 25/- |
| تعمیر ملت | 25/- |
| نصیحتِ لقمان | 25/- |

## ویڈیو کیسٹ

| | |
|---|---|
| حقیقتِ روزہ | 150/- |

# عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

